گل عجائب

یعنی

تذکرۂ شاعراں

تالیف

اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی

(در حدود ۱۱۹۲-۱۱۹۴ ہجری)

مطبوعہ و شایع کردۂ

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

(طبع اول) ۱۹۳۶ (۱۰۰۰)

مقدمہ

اس سے قبل انجمن شفیق اورنگ آبادی کا تذکرہ شایع کر چکی ہے یہ تذکرہ بھی اس کے ایک ہم عصر اورنگ آبادی کا ہے۔ مولف تذکرہ کا نام اسد علی خاں اور تخلص تمنا تھا۔ شاہ کمال نے اپنے تذکرے مجموعۂ انتخاب میں صرف چند سطریں لکھی ہیں جن سے ان کا نام، اورنگ آباد کی وطنیت اور حیدرآباد کے قیام کا حال معلوم ہوتا ہے۔ مجموعۂ نغز، اور عمدۂ منتخبہ نے صرف نام اور تخلص پر اکتفا کیا ہے۔ تفصیلی حالات ابھی تک دستیاب نہیں ہوے۔ اس تذکرے میں بھی کہیں کہیں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے اتنا پتا چلتا ہے کہ ان کا وطن اورنگ آباد ہے، ابتدائی تعلیم بھی اورنگ آباد میں ہوئی اور ان کے استاد داور صاحب تھے جن سے کتب فارسی کی تحصیل کی۔ ان کے ایک ہم مکتب محمد سیف اللہ انور اورنگ آبادی تھے جن کے ساتھ وہ فارسی کتب (مثل کلام شوکت و اسیر و چار عنصر مرزا بیدل) کا درس لیتے تھے[1]۔ اس نے اپنے بعض اور ہم مکتبوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ ایک پر لطف صحبت کا ذکر کرتا ہے کہ وہ اور محمد سیف اللہ انور، صوفی شاہ کاظم اور میر رمز چاروں ایک جگہ بیٹھ کر اسیر، شوکت اور بیدل وغیرہ کا ذکر اذکار

---

[1] صفحہ ۱۳۔

کیا کرتے تھے اور ان میں باہم یہ طے ہوا تھا کہ ان میں سے ہر شخص مشکل اشعار کے معنے علٰحدہ علٰحدہ لکھے[1]۔ اپنے ایک اور ہم مکتب مہر علی شاہ مہرؔ کا بھی ذکر کیا ہے جو آصف جاہ کے ساتھ دہلی سے آکر اورنگ آباد میں متوطن ہو گئے تھے[2]۔

آزادؔ بلگرامی اورنگ آباد میں کئی سال مقیم رہے ہیں اور اکثر لوگوں نے ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ تمنا کو بھی شعر و سخن میں انھیں سے تلمذ تھا[3]۔

تمنا کے خاندانی حالات بھی اب تک کہیں نہیں ملے۔ سیف اللہ انورؔ کے حالات میں صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ انور میرے والد کی رفاقت میں بسر کرتا ہے[4]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے والد اپنے وقت کے مرفہ الحال لوگوں میں سے تھے۔

تمنا کا ابتدائی زمانہ اورنگ آباد ہی میں گزرا اور وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ لیکن ان کے والد کو سرکاری تعلق کی بنا پر حیدر آباد آنا پڑا تو وہ بھی وہیں چلے گئے۔

خواجہ محمد منعم خاں قدرؔ کے حال میں لکھتے ہیں کہ قدر کے والد کچہری دیوانیٔ صوبہ حیدر آباد میں مامور تھے، اُن کی وفات پر نواب صمصام الملک بہادر صارم دیوان دکن نے از راہ قدردانی انھیں والد کی جگہ پر مامور کرا دیا۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ۔ "با مولف بسبب ارتباط قدیم دآمد وشد ہر روز گیے دربار نواب

---

[1] صفحہ ۵۶ [2] صفحہ ۵۰ [3] صفحہ ۶۹ [4] صفحہ ۱۴

موصوف مدظلہ، واشفاقہ، اتحاد دلی بہم رسانیدہ۔ اکثر گاہ اتفاق ملاقات می شود۔ ودر حیدر آباد بہ فقیر خانہ کہ قریب خانہ اش فرود آمدہ ہر روز کرم نمودہ۔ اوقات را بہ فرحت وعشرت می گذراند۔ با والدِ مولف و دپدرِ صاحبِ ترجمہ وہم چنیں باجدِ طرفین کمال دوستی بود[1]۔" سالم کے حال میں بھی اسی قسم کا ایک جملہ لکھا ہے "بنا بر ملاقاتِ ہر روزگی کہ در دربار نواب موصوف دست می دہد با فقیر اتحاد دلی بہم رسانده۔"

اس سے ظاہر ہے کہ تمنا کو نواب صمصام الملک صارم اورنگ آبادی دیوان دکن کی سرکار سے توسل تھا۔

تمنا اور ان کے والد کے حالات اس تذکرے سے صرف اسی قدر معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی اور ضمناً دوسروں کے ذکر میں آ گئے ہیں۔

تحفۃ الشعرا تالیف قاقسال اورنگ آبادی کے ایک قلمی نسخے کے شروع میں چند شاعروں کے کلام کا انتخاب درج ہے اسی میں تمنا کا نام اسد علی خاں لکھا ہے اور ان کا یہ شعر بطور انتخاب درج کیا ہے۔

دیکھا پری سا مکھڑا تو دیوانہ بن گیا
تو شمع بن گیا تو میں پروانہ بن گیا

اس کے بعد ہی شفیق کی ایک پوری غزل اسی بحر اور ردیف وقافیہ کی درج ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

گلشن تری نگاہ سے میخانہ بن گیا
نرگس کا پھول بادہ کا پیمانہ بن گیا

---

[1] صفحہ ۱۴۵۔

اس سے ظاہر ہے کہ شفیق اور تمنا ہم مشق ہیں تعجب ہے کہ باوجود ہم مشق و ہم عصر اور ایک اُستاد کے شاگرد ہونے کے شفیق نے اپنے تذکرے میں تمنا کا ذکر کہیں نہیں کیا۔

تمنا کا کلیات میری نظر سے گزرا ہے۔ اچھا ضخیم ہے۔ علاوہ غزلوں کے اکثر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ کلام سے پختگی اور مشاقی ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے وقت میں استادی کا درجہ رکھتے تھے چنانچہ شاہ کمال لکھتے ہیں "و احوالش از شاگردان میر موصوف کہ دریں جا حاضر اند معلوم شدہ کہ بسیار شاعر مسلم الثبوت دریں ملک بود۔" دو ایک شاگردوں کا پتا بھی چلتا ہے۔ ایک خواجہ ابو طالب خاں آشفتہ ہیں۔ وہ اپنے ایک شعر میں تمنا کی اُستادی کا اس طرح اعتراف کرتے ہیں۔

استاد فلاطونم و شاگرد تمنا
آشفتہ دو عالم شدہ یکساں زمن امروز[1]

محمد علی خاں شوق اورنگ آبادی بھی اُن کے شاگرد تھے۔ شوق صمصام الملک صارم کے بھائی عبدالسلام خاں کے فرزند تھے۔ اور عبدالسلام خاں صمصام الملک شاہ نواز خاں مولف مآثر الامرا کے بیٹے تھے۔ شوق اپنی منظوم مثنوی چہار درویش میں لکھتے ہیں کہ وہ تیرہ سال کی عمر (یعنے ۱۱۹۴ھ)

---

[1] صفحہ ۱۷

سے تمنا سے مشق سخن کرتے تھے۔

کری سیزدہ سالگی نے عروج　　پڑی امر اور نہی کی سوجھ بوجھ
ہوا شعر کا شوق اک بارگی　　ہوئی جستجو تازہ مضمون کی
ہوا شاعری کا جو مرغوب فن　　کیا ہیں تمنا سے مشق سخن

تمنا کا انتقال ۱۲۰۴ھ میں ہوا شوق نے تاریخ وفات کہی۔

لیا جب تمنا نے راہ قدم　　ہوا موج زن بحر اندوہ و غم
کہا شوق نے سال تاریخ یہ　　وفات بہشتی کرا ے دل رقم

مجموعۂ نغز میں اُن کے ایک شاگرد کا ذکر ہے۔ جن کا نام نواب مجاہد جنگ تخلص ارماں ہے جو امرائے نظام الملک میں سے تھے۔

اس تذکرے کا نام پہلے ورق کی پیشانی پر یوں لکھا ہے :-

"رنگ دوم گل عجائب مِن مقالات الغرائب"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمنا کی کوئی تالیف "مقالات الغرائب" نام کی تھی جو کئی مقالوں پر مشتمل تھی۔ ہر مقالے کو اس نے "گل" سے موسوم کیا ہے اور ہر "گل" کے ذیلی باب کو "رنگ" کا نام دیا ہے۔ یہ تذکرہ "گل عجائب" کا "رنگ دوم" ہے چونکہ پوری کتاب اب تک دستیاب نہیں ہوئی اس لیے یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ اس میں کتنے "گل" اور کتنے "رنگ" ہیں اور ان میں کن کن مضامین سے بحث کی گئی ہے۔ مولف نے اس حصے کا نام جو "تذکرۂ شاعراں پر مشتمل ہے گل عجائب رکھا ہے جیسا کہ قطعہ تاریخ اختتام تذکرہ سے ظاہر ہے۔

تذکرہ بہت مختصر ہے۔ بظاہر کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی

اس کا اصل نسخہ کتاب خانۂ آصفیہ سرکار عالی میں محفوظ ہے۔ کاٹ چھانٹ بہت ہے، خط بھی خراب ہے اور کئی خطوں میں لکھا ہوا ہے، ترتیب بھی درست نہیں بعض شاعروں کے حالات ہیں تو کلام ندارد اور کلام ہے تو حال ندارد۔ بعض شاعروں کے نہ حالات ہیں نہ کلام تاہم یہ تذکرہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ اسی میں بعض کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔

تذکرے کی تالیف کا آغاز ۱۱۹۲ھ سے ہوا اور اختتام ۱۱۹۴ میں جیسا کہ قطعات تاریخ سے ظاہر ہے۔

اس میں بارھویں صدی ہجری کے اواخر کے اکثر اُن شعرا کا حال اور کلام ملتا ہے جو قلمروِ آصفیہ میں تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب سراؔج وغیرہ کے بعد دکن میں ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی ایک عمر دکن میں بسر ہوئی، عالم شاہزادگی میں بھی اور شہنشاہ ہونے کے بعد بھی اس کا مستقر اورنگ آباد خجستہ بنیاد تھا اور کئی لاکھ فوج جو اس کے ساتھ تھی وہیں مقیم تھی۔ یہ شمالی ہند کا لشکر اپنے ساتھ اپنی زبان بھی لایا تھا۔ اس دور میں اورنگ آباد کی تقریباً پوری آبادی شمالی ہند کی آبادی تھی اور سارا رنگ ڈھنگ دلّی کا سا نظر آتا تھا۔ چنانچہ اُس زمانے کی زبان اس کی صاف شہادت دے رہی ہے۔ سراؔج کے کلام کا مقابلہ آبرؔو، حاتمؔ، ناجیؔ وغیرہ سے کیجیے معلوم ہوتا ہے ایک ہی مقام کے شاعر ہیں۔ یہ سلسلہ آصف جاہ اول تک برابر جاری

رہا کیونکہ جب وہ دلّی سے اورنگ آباد آئے تو دلّی کی آبادی کا منتخب حصہ ان کے ساتھ یہیں آکر متوطن ہو گیا۔ اُس زمانے تک شمالی ہند کی زبان کا اثر اورنگ آباد میں پورے طور پر باقی رہا۔ اس کے بعد جب اورنگ آباد کی بجائے حیدر آباد پایۂ تخت آصفی قرار پایا اور اُن نو واردوں کی اولاد کا دور آیا تو ترک مقام، تغیر حالات و ماحول اور مرور زمانہ سے زبان میں بھی فرق آگیا۔ یہ تذکرہ اس ادبی دور انقلاب کا نشان دیتا ہے۔ اس نظر سے اس کا مطالعہ کچھ نہ کچھ ضرور بصیرت افروز ہوگا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ تیس چالیس سال کے عرصے میں دکن میں اردو نے قواعد، محاورہ و روزمرہ اور لب و لہجہ کے اعتبار سے کیا صورت اختیار کر لی تھی۔ شاہ سراج کے دور تک اہل ہند اور اہل دکن (یعنے اہل اورنگ آباد) کی زبان میں کوئی خاص امتیاز نہ تھا اور کچھ تھا بھی تو برائے نام۔ اورنگ آباد والوں نے زبان اور لب و لہجہ ہی نہیں بلکہ وضع قطع بھی دلّی والوں کی اختیار کر لی تھی۔ لیکن تیس چالیس سال میں اُن اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر ہم کر چکے ہیں نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ تمنا افسر کے متعلق لکھتا ہے کہ "گفتگو یش بطرز اہل ہند مانوس است"

اس تذکرے میں ایسے شاعروں کا حال ہے جو مولف کے ہم عصر تھے اور اکثر اس کے دوست اور ملاقاتی۔ اکثر شعرا اورنگ آبادی ہیں، یعنے ان میں سے بعض اورنگ آباد میں رہتے ہیں بعض حیدر آباد میں لیکن ہیں وہ بھی اورنگ آباد ہی کے۔

مولفِ تذکرہ نے حالات کے لکھنے میں کوئی خاص اصول مدنظر نہیں رکھا، اس نے بھی وہی عام تذکرہ نویسی کی روش اختیار کی ہے جو اس سے قبل کے تذکروں میں پائی جاتی ہے لیکن جہاں تک اس کی دسترس تھی سنین وغیرہ بھی درج کر دیے ہیں اور حالات اگر معلوم ہو سکے تو ان کا بھی اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ اُمید، موسوی خاں جرأت، حشمت، درگاہ قلی خاں ذکا، ضیا، قدر، عاجز، عزلت، عروج وغیرہ کے حالات سے ظاہر ہے۔

اس میں بعض نئی اطلاعیں بھی ملتی ہیں مثلاً آزاد بلگرامی کے اردو دیوان کا ذکر جس سے مولف نے دو شعر انتخاب کیے ہیں یا تذکرۂ بہار و خزاں کا ذکر اور اس پر رائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عروج کا تذکرہ ۱۱۹۲ سے قبل لکھا گیا تھا۔

بہر حال یہ چند باتیں اس تذکرے میں کام کی نظر آئیں اس لیے انجمن نے اسے طبع کر کے شایع کیا ہے۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ جس سے یہ تذکرہ مرتب کیا گیا ہے اکثر جگہ سے بوسیدہ اور مسخ و مجروح ہے اس لیے اس کی ترتیب میں بہت وقت اُٹھانی پڑی۔ اس کے بعض حصوں کا کاتب بہت غلط نویس ہے، اکثر املا کی غلطیاں موجود ہیں اور اشعار غلط نویسی کی وجہ سے وزن و بحر سے خارج ہو گئے ہیں، ان کو دوسرے تذکروں اور دیوانوں سے یا سیاق سباق سے

درست کرنا پڑا۔ بعض اشعار جو بالکل مہمل ہو گئے تھے مجبوراً خارج کرنے پڑے۔

مجھے اس کی اصلاح و ترتیب میں شیخ چاند صاحب ایم۔ اے ال ال۔ بی، سابق ری سرچ اسکالر (عثمانیہ) سے بہت مدد ملی ورنہ اس قدر جلد شایع نہ ہو سکتا۔

عبدالحق

قطعهٔ تاریخ آغاز تذکره

چون این تذکره را نمودم شروع

ز حق است امید اتمام او

تمنا بتاریخ سالش ز من

خرد گفت آغاز [illegible]

۱۱۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الالف

آرزوؔ

بزم آرائے گفت وگو، سراج الدین علی خانِ آرزو۔ نونہالِ بدوِ شعورش چوں بسر سبزی چاردہ سالگی رسید، داخلِ خیابانِ جرگۂ طلبہ گردید۔ بعدش کہ غنچۂ موزونیت گل کردنی بود، بگفتنِ اشعار میل نمود۔ و بمیر صاحبِ سخن کہ ذکرش دررنگِ اوّل گذشت آثارِ افکار میگذرانید۔ بعد از مفارقتِ ایشاں میر غلام علی احسنی مراسمِ تربیت بتقدیم میرسانیدند۔ چنانچہ بسنِ شانزدہ سالگی غزلے گفتہ از نظرِ ایشاں گذرانید کہ مطلعش اینست:

تا دیدہ ام بزلفِ پریشانِ او گرہ — دارم چو گردبادِ نفس در گلو گرہ

و نسبِ ایں بزرگوار از طرفِ والد شیخ کمال الدین ہمشیرہ زادۂ قطب الواصلین شیخ نصیر الدین المشتہر بچراغ دہلوی میرسد۔ و از جانبِ والدہ بزمرۂ سرحلقۂ ولایت و مرکزِ دایرۂ ہدایت شیخ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ می پیوندد۔ و نسبِ شیخ موصوف بچند واسطہ بسرِ دفترِ اولیا خواجہ فرید الدین عطار میرسد۔ لہذا فرزندانِ ایشاں را

عطاری گویند چنانچہ خود میگوید:

جدّا ست مرا حضرتِ عطّار ازیں راہ   اشعارِ خود اکنوں بنشاپور فرستم

زبس کہ بادۂ فکر در خمخانۂ طبعش اعلیٰ است، بنوشتنِ آں دماغ شوق نشۂ دو بالا۔ ایں چند سیاہ جو ہر از تیغِ فکر اوست:

رات پروانے کی الفت ستی روتے روتے
شمع نے جان دیا صبح کے ہوتے ہوتے

داغ چھٹتا نہیں یہ کس کا لہو ہے قاتل
ہاتھ بھی گھِس گیا دامن ترا دھوتے دھوتے

غیر لوٹیں ہیں صنم مفت تیرے خط کی بہار
ہم یو ہیں اشک کے دانے رہے بوتے بوتے

کس پریرو سے ہوئی شبکو میری چشم دوچار
کہ مَیں دیوانہ اُٹھا خواب سے سوتے سوتے

تیرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے
غنچہ نے گانٹھ باندھا آخر سخن ہمارا

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں   زندگانی کا کیا بھروسا ہے

مرزا منعم کہ احوالش میرسد ایں مضمون را خوب بستہ و برہانِ استحقاقِ ایں مضمون آوردہ:

ہمارے پاس بی آیا نہ آیا   بھروسہ کیا ہے جی آیا نہ آیا

آزاد

عیسیِ معجز طرازِ سخن، موسیِ صاحبِ اعجازِ آں وادیِ ایمن، جاں بخشِ قوالب شعر و انشا، مصنفِ نسخۂ پسندیدۂ یدِ بیضا، عالی فطرت، والا نژاد، میر صاحب میر غلام علی آزاد، دام اشفاقہ و زاد اخلاقہ، بارگاہِ عالی جاہِ سخن گستری بہ یمنِ ذاتِ مبارکِ اُو رشک افزاے پیشطاقِ سلاطینِ عظیم الشان است، و معلیٰ آستانۂ عالم پناہِ معنی پروری بفرِ عنصرِ ہمایون برکاتِ اُو رُو کشِ ایوانِ خواقین سمو المکان۔ در اکثرِ متعددہ مصنفات دارد و در ہر فنِ سخن بیشتر مولفات دواوینِ عربی و فارسیِ اُو بین الجمہور سایر است، و کلیاتِ اُو نظماً و نثراً از فرطِ قبول در اکثر بلاد دایر۔ خامۂ ثنا گذار در تحریرِ فضایلش الکن، و نامۂ اوصافِ آثار در احصائے حُسنِ خصایل خناق الفضا ہما امکن۔ ترجمۂ خود را در کتبِ تصنیف و تالیف تفصیلاً مرقوم ساختہ، و در بیانِ احوال و کسبِ کمالِ خود خُوب پرداختہ۔ چوں دریں اوراق طریقۂ ایجاز و اختصار مسلوک است لہذا برہمیں قدر اکتفا رفت۔ اشعاریکہ از دیوانِ فصیح البیانِ او التقاط و اقتباس یافتہ، بر نظارگیانِ ایں سیر گاہ چنیں عرض میشود:

باغ میں جانا ہے میرا کام کا
شوق ہے مجکو گلابی جام کا

کہوں کیا اوسکی بے پروائیوں سے دِل پریشاں ہے
نہ آیا ایکدم مجہ پاس جس کا نام جاناں ہے

ایجاد

گوہرِ صدفِ فصاحت ناوکِ ہدفِ بلاغت در فنِ گفتگو استاد نقد علی خاں ایجاد۔ از قومِ قاچار، نام اصلی اُو میر علی نقی، خلف الصدق نقد علی خاں مرحوم ہمدانی، کہ با شیخ علی خاں وزیرِ شاہ سلیمان صفوی بقرابتِ قریبہ مشہور بود۔ و در عہد آصفجاہ طاب ثراہ بدیوانیِ پادشاہی فرخندہ بنیاد مدتے مامور بود۔ در آں زماں خان ایجاد نیز بسیار قربِ و مصاحبتِ نواب داشت، و بخدمتِ کوتوالیِ لشکر سرافراز بود، بعد وفاتِ والد بخطاب دیوانیِ موروثی سرافتخار برافراخت۔ بعدش بداروغگی فیلخانہ سرکار نواب صلابت جنگ سربلند گردید، و در عصرِ نواب نظام الدولہ فتح جنگ بہادر بہ خدمتِ اتالیقیِ صاحبزادہ بلند اقبال انتظام الدولہ نصرت جنگ بہادر چندے سرگرم بود۔ دریں ایام در حیدرآباد بخانہ خود فروکش کرد، مرد بزرگ خوش مزاج و نیک مشرب است، پنجہ شاہدِ فکرش از حنائے مضامین رنگیں و ابروئے محبوبِ خیالش از وسمہ معانی نگاریں۔ غزلِ فارسیش چوں زلفِ خوباں مسلسل، و مضامینِ تازہاش از رخسارۂ محبوباں بدل۔ ریختہ اگرچہ زبانش نیست فاما بزورِ طبیعتِ دقیقہ شناس بحسن کیفیت سرانجام می دہد۔ گاہ گاہ اتفاقِ ملاقات می افتد، عزیز کسے است، حق سبحانہ، سلامتش دارد۔ ایں چند نقشِ دلکش از نقاشِ طبع اوست:۔

مونھہ تو دیکھو اِس ہمارے کلکِ گوہر بار کا — جو زباں پر لاسکے ذکر احمدِ مختار کا
صاحبو ئیں اعتقادِ پاک سے کہتا ہوں صاف — ہے غلام ایجاد اوسکا اور اوسکے چار کا

نے رمز نیں ہے کام ثواب و عذاب کا — کوئی مستحقِ لطف ہے اور کوئی عتاب کا

ایجاد بیٹھ رہ تو نجف کی زمین میں   نقشِ قدم ہو خاکِ رہِ بوتراب کا

حاضر رہا ہوں ساتھ جہاں تو چلا پھرا   قدموں سے تیرے سایہ نمط میں لگا پھرا
خط تو نے جبکہ لایا اے قاصد دو آچکا   تجکو برا تو کیا کہوں اب بھی بھلا پھرا

اوس ماہرو کا زور ہی جھلکے ہے گوشوارا   کیا چاند کے گھر آیا اب مشتری کا تارا

رزالے جو زریکا باندھتے ہیں سر پر اب توڑا
تجھے اونکو خوب لگتا نئیں بجز پاپوش کا جوڑا
سوارِ مرکبِ دولت ہوئے ہیں گاڑوے یہاں تک
کہ خر خاوند جو نیں تھا گدھے کا اب چڑھا گھوڑا

ہم اسیروں کو تری زلفوں سے ہے دلبستگی   کون کافر چاہتا ہے ایسے داموں سے نجات

تربت پہ میری شمع اگر تو نہ لائیگا   جلتا رہونگا حشر تلک میں کفن کے بیچ
تجہ لب سا کوئی عقیق نہ پایا سہیل نے   راتوں کو بھی چراغ لے ڈھونڈا یمن کے بیچ

آج آنے سے ترے دل ہوا یوں شاد کہ بس
اس خرابے کو تو ایسا کیا آباد کہ بس
رات شیشہ کو جھکاتے ہی بھری مجلس میں
اس مزے سے مجھے ساقی نے کیا یاد کہ بس

جس طرح ہے عندلیبوں کو گلستاں کا تلاش   اس طرح سے ہی ہے مجکو سیرِ خوباں کا تلاش
جس کے لب کی گفت و گو سے شور میں آوے جنوں   میرے داغِ دلکو ہے ویسے نمکداں کا تلاش

تم کو ہے یارو اگر حسنِ بیاں کی احتیاط   جیوں قلم ہر بات میں کیجیے زباں کی احتیاط
آنسوؤں کے کر چکا ہوں میں حوالے آہ کو   ہر کہیں ہے فوج کے ذمے نشاں کی احتیاط
احتیاطیں کرتے کرتے مر چکے ایجاد ہم   اب جو نوبت جان پر آئی کہاں کی احتیاط

کیا بلا کیفی بتوں کے گھر ہے رہ جانیکا حظ
انکو مے پینے کا ہمکو گالیاں کھانیکا حظ
کب لگے ہاتھ ایسی دولت جو میسّر ہو سکے
جیوں حنا پھر تیرے قدموں سے بلگ جانیکا حظ

مجھ دِوانے کے لئے صحرا میں بھی کرتے ہیں فرش
بیدِ مجنوں اپنے سایہ کے پلنگِ بید باف

ہُوں تیرے نقشِ قدم سا میں زمیں گیرِ فراق
مجھ سے کیا اب خاک ہو سکتی ہے تدبیرِ فراق

جب سے تیرے ہونٹوں کی دھڑی دل پہ جمی ہے
گر گئے میری نظروں سے عقیقِ جگری رنگ

بیٹھا ہوں ترے ابروئے خمدار کے نزدیک
سر اپنا رکھا ہوں اسی تروار کے نزدیک
ہوں مُردۂ دیدار مری نعش کو یارو
رکھ دیجو ٹک اوس نرگسِ بیمار کے نزدیک
بکتا ہوں زرِ مہر کو بازارِ وفا میں
ان مولوں گراں نیں ہوں خریدار کے نزدیک
کہیں اور نہ ڈھونڈیجو مجھے حشر میں ایجاد
پاسے ہوں وہاں حیدرِ کرّار کے نزدیک

میکدے میں کون رکھتا غیرتِ پیرِ مغاں
گر نہ دیتی دخترِ رز اپنی حُرمت کی قسم
مَیں جُدا تجھ سے نہ ہونگا تو بھی دل مجھ سے نہ ہو
مجکو اُلفت کی قسم تجکو مروت کی قسم

کیسے دریا سا دِل اپنا ہم اے دِلدار دیتے ہیں
ہر ایک کو ہم کہاں یہ گوہرِ شہوار دیتے ہیں
خبر جو اوس کماں ابرو کی خیریّت کی لاتا ہے
اوسی دم ہم اوسے اِنعام اِک تروار دیتے ہیں

تُم ہو یہ فدوی ہو جامِ مینا ہو گھٹا ہو راگ ہو کشتی ہو سیرِ دریا ہو

کھول زلفوں کو صنم چھوڑ گرفتاروں کو
کب تلک باندھ رکھیگا تو گنہگاروں کو
یار آتا ہے ارے دل کہہ اب اشکوں سے شتاب
حوض آنکھوں کے بھریں چھوڑ دیں فوّاروں کو
جس کے ہم ہو رہے ایجاد اوسی سے ہے رجوع
اور یاروں ستی کچھ کام نہیں یاروں کو

یکایک میرا طفلِ اشک گھر سے چلدیا یوہیں
ہر اک لڑکا ہوا خود اختیار آہستہ آہستہ

رکھا ہوں اسدلِ نازک کو جانکر شیشہ
جس احتیاط سے رکھتا ہے شیشہ گر شیشہ
پھپولے تیرے تغافل سے دِلمیں ہیں ساقی
علاج کون کرے گا مرا مگر شیشہ

گلگشت کی خبر جب تیری چمن میں پاتی
بادِ صبا خوشی سے پھولو نمیں نیں سماتی

لختِ جگر جو ہم رویئں اے ابر تو جو روے
پانی ہو تیرا زہرا پھٹ جاے تیری چھاتی
کن کن کے سر چڑھو گے کس کس کا خوں کرو گے
باندھی ہے لال پگڑی اب تم نے چھچھاتی

چمن میں جالے صیّاد رخصت لے کے مالی سے
ہمارا بھی قفس لٹکا دے چندے گل کی ڈالی سے

دورنگی دیکھہ کر تیری مجھے جب دلمیں درد آوے
ہر اک آنسو گلِ رعنا سا میرا سرخ و زرد آوے
یہ نامردوں کی عادت آپڑی اوندھے مزاجوں سے
کہ پیٹھ اوسکے طرف کر بیٹھیں جو مجلس میں مرد آوے

اس چمن میں جسے دیکھو اوسے حیرانی ہے　　غنچہ کو تنگدلی گل کو پریشانی ہے
جبہہ سائی اُسے نکر منع مرے تئیں کہ مجھے　　سر ترے پانوں پہ رکھنا خطِ پیشانی ہے

انصاف

سزاوارِ اوصاف، علی نقی خاں انصاف۔ خلف الصدق بزرگ خاں ایجاد است، ونقشِ فکرش دلکش از نگارۂ تانی وبہزاد از بدوِ شعور باکتسابِ علوم پرداختہ یگانۂ خاندان برآمد۔ از خوردسالگی بظلِ تربیتِ پدر برومند شدہ ووالدِ او نیز درحقِ پسر توجہ خاص است، اکثر زبانیٔ خود پیش فقیر زبان بوصفش کشادہ وخان انصاف خط بطرز شفیعہ می نگارد۔ جوان خلیق، قابل از علم فارسیہ وعربیہ دست پرزور دارد، وسحابِ فکرش در گلشنِ سخن چنیں می بارد:۔
وِرد ہے انصاف کو حکمِ خداوندِ جلیل　　یعنی بعدِ شکرِ حق ایجادِ امجد کی ثنا

رنگ میرا درد کے زر سے ملمع ہوگیا　　دِل بھی داغوں سے محبت کے مرصع ہوگیا
جب سے دلمیں خوش خطوں کی صورتوں کا نقش ہے　　میرا سینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو مرقع ہوگیا

کس پہ تلوار اونے کھینچا سر دھکتا ہے مرا　　کس پہ اینچا ہے کٹاری دل کھٹکتا ہے مرا
اوس شرابی کے لیے میں بھی کبابی ہوگیا　　قیمہ قیمہ ہے جگر اور دل دھکتا ہے مرا
مجکو دیتا ہے مگر آئینہ برداری کا کام　　چشم بد دوران دنوں ماتھا چمکتا ہے مرا

ذوق سے عشق کی موجوں میں بہا جاتا ہوں　　جسطرف یار لیجاتا ہے چلا جاتا ہوں

چاہے ہے انقلاب طبیعت نگار کی　　تقصیر کچھ نہیں ہے خزان و بہار کی

افسر

فراستِ کردار سخنور باقر علی خاں افسرؔ، خلفِ ارشدِ خانصاحب ایجاد و برادرِ خوردِ خان اِنصاف۔ خلعتِ آراستگی بقامتش دوختہ اند، و شمعِ پیراستگی بمحفلِ اُو افروختہ، جوانیست بغایت رنگیں، و مردیست شائستۂ تحسیں، و نبالۂ شتابِ گرم جوشیہا، و پیرِ وچسپاں اختلاطیہا، آہوئے مشکینِ نفسِ مضموں در کمندِ فکرش صید، و تدروِ خوش رفتارِ معنی در کہسارِ الفاظش قید۔ با فقیر محبتِ دلی دارد۔ این سحر کاریہا از افسونگرِ طبع اوست:

کب سُنے ہے گوشِ گُل تیری پکار اے عندلیب
گو تو گلشن میں کرے نالے ہزار اے عندلیب
اب تو کیوں اپنے قفس میں غنچہ سا دلتنگ ہے
دیکھ کس کس رنگ سے آئی بہار اے عندلیب

افسر

بلاغت شعارِ سخن پرور، افسرؔ خلفِ الصدق سید نواز شخاں رازؔ، کہ ذکرش پستر خواہد آمد، و برادر خواجہ میر سید علی رمزؔ است، تولدش در خجستہ بنیاد واقع شدہ۔ جوانِ قابل میرزا منش یار باش است، و شعر سرا در ہر دل و ہر محفل غزل فارسی را بہ بہترین آئین سرانجام میدہد، و ریختۂ ہندی را بہ خوشتریں مضامین میگوید، گفتگویش بطرزِ اہلِ ہند مانوس است۔ از فقیر بگرم جوشیہا برمیخورد، از آشنایانِ درست است، ایں

چند جواہر پارہ از افسرِ طبع اوست :۔

نہ لیتا گر مرا دِل تیرے للچانے کے کام آتا — کھلونا تھا وہ تجھ بدخو کے بہلانے کے کام آتا

یہ نہ سمجھو کہ میرا چاک گریبان ہُوا — زخمِ دِل پردہ نشیں تھا سو نمایاں ہُوا
حُسنِ یوسف کی نہیں چاہ مجھے سُنتا ہے — چاند صدقے تیرے مکھڑے کے ہیں قربان ہُوا

وہ سرخ لب غضب سے گر آوے سخن کے بیچ — کیا نقش بیٹھے واہ عقیقِ یمن کے بیچ
قاتل الہو سے غسل تو دیکر لپیٹیو — ہم لسملونکی نعش گلابی کفن کے بیچ
روشن نہ کیجیو شمع کو زنہار دیکھنا — پروانہ ساں جلونگا ابھی انجمن کے بیچ
افسر دِل و جگر کہیں جل بل نہ جائے ہائے — بیطرح شعلے آہونکے بھڑکے ہیں تن کے بیچ

مرنے اور کھپنے کی اوسکے اور جلجانیکی طرح
تو نے دیکھی شمع اپنے ہائے پروانے کی طرح
نام سُن مجنوں کا کیونکر خوش نہو لیلیٰ کی روح
اوس دِوانیکو بھی بھاتی تھی دہ دیوانے کی طرح
عشق میں شیریں کے ناحق جی دِیا لے کوہکن
کس سے سیکھا تھا رے ظالم ایسی مرجانیکی طرح

ویراں نہیں ہوا ہے مرا آشیاں ہنوز — یکمشت پر پڑے ہونگے اے باغباں ہنوز
ہم سے نہ پوچھ افسر بے دست و پا کو ہائے — کراہتا کہیں پڑا ہوگا وہ نیم جاں ہنوز

مر گئے پہ ہمسے آنکھیں نہ تو نے ملائیاں … اُسکا بُرا ہو جس نے یہ طوریں سکھائیاں
جسوقت سیر باغ سے وہ خوش تین چلا … نرگس کے سارے تختہ کی آنکھیں بھر آئیاں
کس بیکسی سے کاٹی تھیں افسر نے میرے ہائے … اے ہجر جانکنی کی وہ راتیں پھر آئیاں

کیا جانیے کہاں ہے ہمارا غریب دل … بیچارہ دل ستم زدہ دل بے نصیب دل

محفل میں دل جلونکی نہ لاؤ چراغ کو … روشن کرو نہ کوئی میرے دلکے داغ کو
گر ایک شب سحر کو نکالوں جگر سے آہ … مرغِ چمن جلا دونگا میں تیرے باغ کو

کبھو تو یہ نہوا تمسے دل کو شاد رکھو … جو کچھ کہ ہمسے کئے تم بھلا جی یاد رکھو

سوتا ہے شب کو تو جو لے رخ پر نقاب کو … ظالم کیا ہے داغ دلِ ماہتاب کو
رونے سوائے دل کو مرے کام کچھ نہیں … سمجھاؤں کسطرح سے یہ خانہ خراب کو
بیہوش دیکھ یار نے افسر کو کہہ اوٹھا … اِس ناتواں کے چہرے پہ چھڑکو گلاب کو

افسر کو کیوں سناتے ہو یارو بیانِ عشق … مت گفتگو کرو کہ وہ خود ہے زبانِ عشق
کھاتے ہی کھاتے لختِ جگر موہنہ تو پھر گیا … کہتا تھا دلکو ہائے نہو میہمانِ عشق

کبتک سنوں میں تجھسے شکایت پتنگ کی … اے شمع بس بہت مجھے تو نے بتنگ کی
کوچہ سے او سکے دل تیرا آنیکو جی نہ تھا … اے خانماں خراب جو آتی درنگ کی

کیا ہے قتل کس نے عندلیبونکو صبا سچ کہہ　　لہُو کی باس آتی ہے ہمیں گل کے گریباں سے

مرے جو سینۂ سوزاں سے آہ نکلے ہے　　زبانِ شمع سے جوں شعلہ واہ نکلے ہے
نمی تو رونیکی آنکھونمیں نیں رہی افسرؔ　　مگر کہ لختِ جگر گاہ گاہ نکلے ہے

جسوقت آہِ سرد کی میری ہوا چلے　　طاقت نہیں کہ کوچہ میں اوسکے صبا چلے

وو دن خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی کبھی　　کٹتی ہے رات جیسی تیرے بیقرار کی

شکست اِس دل ہمارے کی تو اے دِل سخت کیا جانے　　کہ شیشہ ٹوٹنے کی قدر پتھر کی بلا جانے

دِلکو گنوا جگر کو جلا دل کو دے چلے　　اے یار تیرے کوچہ سے ہم کچھ نہ لے چلے
لے بیخبر دوانے کی اپنے خبر تو لے　　افسرؔ کے سر پرہ کو نکے پتھرے بھلے چلے

محمد سیف اللہ انورؔ

سخن فہم بینظیر، صاحبِ فراست روشنضمیر، والا طبع نامور، محمد سیف اللہ انورؔ۔ سروِ ہستیش از گلشن آبادِ خجستہ بنیاد سرکشیدہ، از بدوِ سِنِّ تمیز باکتساب علوم میل نمود، ودر چندے یکتا بر آمد۔ فقیر و او ہم مکتب بلکہ اکثر اوقات باہم در حصولِ کتب تحصیلِ فارسیہ در جنابِ حضرت دادر صاحب قبلہ مدظلہ مثل شوکت داسیر وچار عنصر مرزا سامع وقاری بودند۔ ودر عربیہ شمعِ اِدراکِ خود را از شعلۂ توجہ میر صاحب میر انورالدّین

دِل سلمۂ اللہ افروختہ۔ در عالمِ دوستیہا آشنائے یگانہ است، و در جہانِ آشنائیہا مفتخرِ زمانہ۔ مردیست مودت پیشہ، وجوانے محبّت اندیشہ۔ نہنگِ ہستیش در محیطِ خجستہ بنیاد، آشنائے امواجِ مضامین و بحورِ اشعار است، و جیبِ صبرش از کشاکشِ پنجۂ عشق تاتار۔ با مولّف مودّتِ صمیم میدارد، و برفاقتِ حضرت ابوی دام ظلہٗ وزاد قدرہٗ، بسر می بُرد۔ اورا سبحانہٗ، سلامتش دارد۔

مگر گنجِ شہیداں باغباں تھا اس بیاباں میں
جو لختِ دِل سوا کچھ اوگتا نئیں اس خیاباں میں

تمنّا نئیں ہے مال و جاہ کی ہمکو درختوں بن
ہے بہتر چتر سے مجنوں کو سایہ بید مجنوں کا

اے شہسوار گرمِ عناں مت ہو اس قدر
ڈرتا ہوں میں نجائے لچک مو کمر کہیں

دشت میں تیرے شہیدونکا صبا کرکے سراغ
لے گئی رَن سے اُڑا کر مشک کی بُو ئے لہو

ہو گئی گرد ترے دام کے خوشبو صیّاد
بالِ بلبل سے مگر نکہتِ گُل کرتی تھی

آرسی کو مت دِکھا مژگان و ابرو ہمدگر
خنجر و شمشیر شیشہ میں لڑاتا ہے کوئی

عِصمت کا لاف مار نہ گُل میرے یار سے
بدنام تو بھی ہیگا چمن میں ہزار سے
پلکو نمیں میری اشک نبو جھو قطار سے
یہ موتیا کے پھول ہیں اوگے ہیں خار سے
دامان و آستیں سے ہِلا ہے یہ طفل اشک
ہووے جُدا وہ کسطرح میری کنار سے

ہیگا فغاں میں ساتھ مرے سنگ بھی شریک — آوے ہے دشت بیچ صدا کو ہسار سے

ہے نمایاں رُخ پہ تیرے خطِ ریحاں آجکل — مور کے قبضہ میں ہے مُلکِ سُلیماں آجکل
عاشقوں کے قتل پر امروز و فردا خوب نیں — دیکھ کہیں ہو جائیگا کافر مسلماں آجکل

عشق میں مہتاب رُو کے دم شلے رویا جو میں — چاندنی پر اشک گر گر کر ستارے ہو گئے

سبز چیرے میں مت چھپا کاکُل — حق میں کالے کے وو زمرّد ہے

متصل ہے چشم سے اور تابدار — شاخِ آہو ہے مگر ابروے یار

رنت لہو پیتے ہو دلکو کر گلابی کا خیال — کیوں پرائے مال پر آنکھوں کیتیں کرتے ہو لال

لگا وسمہ نکر ابرو کو بے آب — نکر اس تیغ کو ظالم سیہ تاب

اِفتخار

درنادر ہندی ضرب المثل و نامدار، میر عبدالوہاب افتخار پیدایشش والایش از دولت آباد است، و در فن شاعری میر صاحب میر غلام علی آزاد اوستاد- در ریختہ بیکلّ تخلّص مینماید، پیشتر ازیں تذکرۃ الشعرا مسمے بہ بے نظیر رقم نمودہ، و تلاشِ فراوان بکار بردہ، از وست۔

سیجیے یک عالم گریباں تا بدامن چاک کو — سی نسکیے ایک بھی چاکِ دلِ غمناک کو

نرگسِ باغی کو ہے آنکھ پر اپنی غرور — آگے ذرا اسکو تم چشم نمائی کرو

شہیدِ کربلا کے مشہدِ اقدس پہ جا ہوجیے — جو خاک ہونا ہے آخر کیوں نہ خاکِ کربلا ہوجیے

برسے ہے ابرِ رحمت ساقی کدھر ہے مینا — ہنگامِ بادہ خواری جواب نہیں تو پھر کب
جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطفِ زندگانی — آتی اجل ہماری جواب نہیں تو پھر کب

سرو کو رتبہ نہیں آگے ترے اے سبز پوش — ایک تجھ بازارِ خوبی کا ہے وہ سبزی فروش

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا — سُرخ و سُفید ماٹی کی مُورت ہوئی تو کیا
مرا دل لگا کر خوں سے ساتھ لے گئے — حنا کے رنگ ہاتوں ہاتھ لے گئے

آشفتہ

صاحبِ زبانِ الفاظ شُستہ و رُفتہ، خواجہ ابوطالب خاں آشفتہ، خلفِ اشرف خواجہ اشرف خاں بہادر غضنفر جنگ است، و گلشنِ فکرش را تازہ آب و رنگ۔ قبل ازیں بدارو غگیٔ فیلخانۂ نواب نظام الدّولہ بہادر سرفرازی داشت۔ و والدش نیز بدیوانیٔ بادشاہی بلدہ حیدرآباد مامور بود۔ جدّش نواب عماد الملک مبارز خاں شہید کہ احوالش مکتبِ تواریخ من و عن مندرج است۔ جوانِ صالح

بزیورِ قابلیت پیراستہ، و بجواہرِ آدمیت آراستہ۔ دانائے مدارجِ علم مجلس و پاسداری وشناسائے مقارنِ یار باشی و غمگساری۔ با فقیر یگانگتِ تمام میدارد، واز گرم جوشیہائے شبا روزی سرد مہریٔ یاران ناسزا دفع میسازد۔ بسبب پاسِ خاطرو مُصِرشدنش فقیر گاہ بیگاہ بحکّ و اصلاح می پردازد۔ اگرچہ در عالمِ دوستیہا شاگردی واستادی راچہ دخل فامّا اینقدر باستمدادِ کردنِ او نوشتہ شدہ۔ چنانچہ خود گوید۔

اُستادِ فلاطونم و شاگردِ تمنّا　　آشفتہ دو عالم شدہ یکساں زمن امروز

شمعِ ہستیش در محفلِ فرخندہ بنیاد فروغ گرفتہ، چرب زبان گردید۔ ایں روشنی از فتیلۂ فکرِ اوست۔

سبز ہو نخل مری آہ کا پھوٹا نکلا،　　قدِ دلدار ہوا سرو کا بوٹا نکلا،

سجن کے موتھہ سے نکلتی ہے اب شراب کی بو،
چمن میں جسطرح مہکے گُلِ گلاب کی بو،
تمھاری زلفِ معنبر کے سامنے پیارے
ہے کیا مجال مقابل ہو مشکناب کی بو،
وہاں کی خاک اے آشفتہ اپنے سر پر رکھہ
کہ جس زمین سے نکلے ہے بُو تراب کی بو،

وہ اپنے گھر ستی مستِ شراب نکلے ہے　　طلوعِ صبح کا جوں آفتاب نکلے ہے

آتا ہے کہاں غنچہ کو یہ ڈھنگِ تبسم　　جو لب پہ نمایاں ہے ترے رنگِ تبسم

بُلبل کی خاک پر اب پھولوں کی کیا ہے حاجت — مشہد پر اوسکے ہیگا روشن چراغ گُل کا

پانوں پڑتا ہوں مرے خون کو مل اے مشفق — یار کے ہاتھ میں مشاطہ حنا ایسی ہو

خوں ہے کِسکا نگار سچ کہیو — تیرے دامن پہ یار سچ کہیو
دود پہنچا زمیں سے تا بفلک — کس کی ہے یہ مزار سچ کہیو

میں کب سے ترا طالبِ دیدار کھڑا ہوں — رسوا شدۂ کوچہ و بازار کھڑا ہوں
کرتا ہے اگر قتل تو پھر دیر کی کیا وجہ — حاضر ہوں ترے روبرو جلّاد کھڑا ہوں

صیاد تجھکو دیکھ یکایک پھڑک اوٹھی — بلبل نے شاخِ گل سے سر اپنا پٹک اوٹھی
گُلرو تو مت سمجھ کہ ہے تختہ گلاب کا — بلبل کے دل کی آگ تھی آخر دہک اوٹھی

خط چھین لے کے اوسنے کبوتر کے پر کسے — اے نامہ بر چلا ہے کہاں تو کمر کسے

کیا بزم میں گلابی چلی ہے چمن کے بیچ — ساقی یہ طور تیری بھلی ہے چمن کے بیچ
خاکستری بدن ترا کِس سرو نے کیا — قمری تو کِس کے ہاتھ جلی ہے چمن کے بیچ
شاید ہے دستِ نازکِ گلروئے سبز پوش — یہ شاخِ گُل نہیں جو ہلی ہے چمن کے بیچ
خُم جوش میں ہے ساغر و مینا ہے لوٹ پوٹ — کِس نے گلابی آنکھ ملی ہے چمن کے بیچ

آج گلشن میں کھلی ہے اوسکی کاکل بیطرح — کیا عجب گر پیچ کھاوے شاخِ سنبل بیطرح

مردمک روتی ہے اور لاگی ہے مژگانکی جھڑی
خوب برسائی گھٹانے ابر نیسانکی جھڑی
ڈوب جاوینگے زمین وآسماں یک پل کے بیچ
بیطرح لاگی ہے ایدل چشم گریانکی جھڑی

اے آہ تونے آنکھ سے لوہو بہا چلی
لختِ جگر کو خون میں ظالم ڈبا چلی
ٹکڑے کر اپنے دلکو اے بلبل سحر کے وقت
غنچونکے چاک کرنیکو بادِ صبا چلی

فصلِ گل کیوں جہان پر آئی
عندلیبوں کی جان پر آئی
پھر مزا کیا رہا میرا صاحب
بات حب امتحان پر آئی

گریباں چاک پھرتا ہوں مجھے کیا کام گلشن سے
دیکھتا ہے کسے اے باغباں توں انتظام اپنا

رباعی

فریاد وفغاں کیا بہوت سا بسمل
سُن کر بھی گزر کیا نہ اودھر قاتل
ایک دم کے لئے خموشی بہتر ناداں
دیکھو نہ کسی کو دل اگر ہے عاقل

اوس پریرو کا دِل دیوانہ ہے
نہ فلک جس کا شیشہ خانہ ہے

ارشد

شاعرِ صاحب سند میر غلام علی ارشد۔ نخلِ قامتِ ہستیش از گلزمینِ اوصاف سر کشیدہ سید رضوی در تاریخ گوئی نظیر ندارد، مورخِ بے بدل است، کتابے در مقدمۂ تاریخ رقم نمودہ و بسیار آسان تر کردہ۔ دریں ولا نزدِ ارسلان جنگ بہادر نوکر است۔ مردِ عزیز کسے است از مغتناتِ دہر، یار باش، خوش گپ۔ حق تعالےٰ سلامت داراد از دوست۔

دل کے تئیں پیارے دکھانا خوب نیں ۔۔۔ جن نے دل توڑا سو کئیں محبوب نیں
بے سبب بیگانگی کرتے ہو کیوں ۔۔۔ آشنائی کا تو یہ اسلوب نیں

بات شیریں ہے اوسکی مصری سے ۔۔۔ اوسکے دو لب ہیں شاہدِ عادل

تجھ رخ میں مجھے نورِ الٰہی نظر آیا ۔۔۔ جو اصل میں تھا سو ہی کماہی نظر آیا
تجھ زلفِ پریشاں پہ نظر جبکی پڑی ہے ۔۔۔ دلجمعی او سے نہیں و تباہی نظر آیا

اُمید

فلک سخنوری را خورشید، قزل باش خاں اُمید۔ اصلش از ہمدان اصفہان است۔ ازانجا اکتسابِ علومِ درسی نمودہ مائلِ ہند گردید و بر رفاقتِ نصرت جنگ ذو الفقار خاں بہادر کہ در عہدِ خلد مکان سپہ سالار دکن بود بسر بردہ۔ بعد واقعہ اش با میر الامرا سید حسین علی خاں و بعدش ہمراہ نواب آصفجاہ میگذرانید۔ و در ہمانجا بخطاب قزلباش

خانی و بخدماتِ عمده سرفراز شد - او اخر بدار الخلافت شاہجہان آباد سر بر میگذرانید، مرد با استغنا و بے تعلق مزاج بود و با کمال وسعت مشربی زیست می نمود - در سنہ تسع و خمسین و مأتہ الف ۱۱۵۹ھ، چراغ ہستیش از صرصرِ اجل خاموش گردید - این چند شعلۂ مسلسل از شمعِ فکرِ اوست

در و دیوار سے اب صحبت ہے یار بن گھر میں عجب صحبت ہے

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

آصف

نواب نظام الملک بہادر آصفجاہ طاب ثراہ، جدِّ مادری سعد اللہ خان وزیر اعظم شاہجہان بادشاہ، و جدِّ پدری عابد خاں - تعریفِ نسبِ عالی حسبش و توصیفِ حسبِ والا نسبش درین اوراق کہ خیلے باختصار پرداختہ گنجائش پذیر نیست و بر دانایانِ اطوارِ سابق و واقفانِ آثارِ سلف پوشیدہ نیست کہ در طبقۂ سلاطینِ تیموریہ بلکہ طبقاتِ پیشین، امیرے بایں عزّ و اعتبار، صاحب تدبیرے و بآں قدرت و وقار، چشم و گوشِ روزگار ندیدہ و نشنیدہ - قریب سی سال بریاستِ ممالک دکن پرداخت - واقلیمے کہ جائے فرمانروائی چندیں سلاطین صاحبِ اقتدار بود خود بدولت و اقبال تنہا بتصرف داشت و فتوحاتے کہ یادگارِ لیل و نہار و کارنامۂ روزگار باشد بمنصۂ ظہور جلوہ گر فرمود - از درگاہِ عالم پناہش خیراتِ فراواں بمساکین و مستحقین میرسید، بلکہ سہ لک روپیہ از وستخطِ خاص، سوائے انعاماتِ بادشاہی در صوبجاتِ دکن بطور ماہوار بارباب

استحقاق میر فتند، و یک لک روپیہ بمرُدم حج و غیرہم انعام میفرمُود۔ علما و مشائخ عرب و عجم و ماوراءالنہر و خُراسان و عِراق و ہندوستان، شہرۂ قدردانی شنیدہ رو بدکن می آوروند و بقدرِ نصیب بہرۂ می یافتند، و درخورِ قسمت کامیابِ مقاصد می گشتند۔ گاہ گاہے مزاجِ اشرف بمقتضائے تفنّنِ طبع بفرمودنِ شعر میل می فرمود این چند لعل بے بہا از سر بندِ فکرِ عالی ذکرِ اوست۔

گالی نہ کہو کوئی مرے دل بر کو حسد سے مجھ دل کے گلے میں یہ دعائے یمنی ہے

حرف الباء

بیدلؔ

مرزا عبدالقادر بیدلؔ، استادِ فنِّ بسیار گوئی خوب گو بوُد، در دارالخلافت کوسِ رستمی مینواخت و دادِ سخنوری و خوش خیالی میداد، دیوانہا و مثنویہا متعدّد دارد و نثر ہائے رنگین و مسجّع می نگارد، در تعریف کوہ بیتے خوب گفتہ

بلیغ

بلیغؔ احوالش معلوم نیست۔

تیری زُلفوں کی کردرازی یاد کٹ گئی میری رات باتوں میں

آگے اُن آنکھوں کے کیا عزّت ہے میخانے کے تئیں اُن کی گردش ہو جہاں کیا تاب پیمانے کے تئیں

عشق میں ثمرہ تو ہے سوزش کا لیکن بعدِ مرگ   شمع لے ہے دوش پر تابوت پروانے کے تئیں

یاد میں خط کے تیرے شب کو میں روتے روتے   دشت کو سبز کیا صبح کے ہوتے ہوتے

رہتی ہے اوس آتشیں رُو سے میرے سینہ میں آگ
لگ اٹھی صورت سے جس کی آبِ آئینہ میں آگ
یوں جھلکتا ہے بدن اوس کا قبائے شال سے
جس طرح لگتی ہے یارو رختِ شالینہ میں آگ

جب ہاتھ میں قاتل کے وو خنجر نظر آیا   تعظیم کو لب پر مرا لختِ جگر آیا

گرچہ ظاہر میں ورے بیٹھے ہیں   ہم دو عالم کے پرے بیٹھے ہیں
حشر میں بھی نہیں اُٹھنے کا دماغ   کسکی نظروں کے گرے بیٹھے ہیں

یہ ڈر آتا ہے تیری یاد سے کہ جگر کہیں نہ دھڑک اُوٹھے
دلِ آتشیں میں نہاں جو ہے وہی شعلہ اب نہ بھڑک اُوٹھے

کیا باک ہے جو خوار کرے دربدر کرے   لیکن جو بعد اوس کے بھی آخر نظر کرے
قاتل سے خونبہا کو ہمارے نہ کہیو کچھ   اتنا مگر کہ خاک پہ میری گذر کرے

بے تمہارے بزمِ عشرت حلقۂ غم ہوگئی   صبحِ نوروزِ جہاں شامِ محرم ہوگئی

مر گئے لیکن رواں ہیں اشک کے دریا ہنوز
سبز ہوتے ہیں ہمارے اشک سے صحرا ہنوز

کیا بلا آتش تھی یارو تیشۂ فرہاد میں
ہے شرر بار اوس اثر سیتی دلِ خارا ہنوز

اے صنوبر حد سے زیادہ سرکشی بھی خوب نئیں
باغ میں آیا نہیں ہے وو قدِ بالا ہنوز

نصیبوں کو بسمل کے کیا روئیے
جہاں تھم گیا ہات جلّاد کا

جگر کو لے آیا لبوں پر مرے
نظر کیجیو زورِ فریاد کا

کس کی سرمہ چشمگی سے دِل صفاہاں ہو گیا
کس کے لب کی یاد میں سینہ بدخشاں ہو گیا

کس کے چہرہ پر نظر کر اُوڑ گیا رنگِ چمن
کس کی آنکھیں دیکھ کر نرگس کو یرقاں ہو گیا

کس کی شمشیرِ خرام آکر چلی گلزار میں
کس کے آنے سے چمن گنجِ شہیداں ہو گیا

کس نے آمنہ سے اُٹھایا تھا نقابِ شرم کو
جلوۂ صبحِ وطن شامِ غریباں ہو گیا

کس کی نزدیکی سے جب تھا خجلتِ بازارِ مصر
کس کی دوری سے یہ دِل اب دشتِ کنعاں ہو گیا

بیدآر

معنی یاب خوش گفتار، بیدآر- احوالش تفصیلاً معلوم نشدہ- ظاہر از
ہند است از وست-

گُل تری یاد میں آنسو ہی نہ کچھ گلگوں تھا
ہر مژہ پر مری لختِ جگرِ پُر خوں تھا

مصرعِ قد کا ترے مصرعِ ثانی نہوا — سرو ہر چند کہ برجستہ وخوش موزوں تھا
پاسِ ناموسِ حیا تھا کہ نہ رویا اے ابر — ورنہ آنکھوں میں ہماری بھی بھرا جیحوں تھا

رشک کھاتا ہے چمن دیکھ کے داماں میرا — کم نہیں ابر سے کچھ دیدۂ گریاں میرا
کھینچ کر زُلف کی تصویر کو خط میں بھیجوں — تا کہ معلوم کرے حالِ پریشاں میرا
ایسے طالع مرے بیدار کہاں ہیں جو آج — اِس شبِ تار میں آوے مہِ تاباں میرا

مے کدہ میں جو ترے حسن کا مذکور ہُوا — سنگِ غیرت سے میرا شیشۂ دل چور ہُوا

مہرباں بھی ارے بے مہر کبھی ہووےگا — یا اسی غم سے میری جان کو تو کھووےگا

مست ہم کو شراب میں رہنا — کچھ ہو اس سیرِ آب میں رہنا
کچھ تنبّہ نہیں تجھے اب تک — نام بیدار خواب میں رہنا

تو نے جو مدتوں میں اِدھر کو گذر کیا — نالہ نے آج کچھ تو ہمارے اثر کیا
غیرت نہ آئی تجکو ستمگر ہزار حیف — جس دِل میں تو مقیم تھا واں غم نے گھر کیا

برنگِ نقشِ نگیں زخم ہے مرے دِل کا — رہیگا حشر تلک نام میرے قاتل کا

اُگے ہے پنجۂ مرجاں مزار سے اوس کے — شہید ہو جو کوئی اوس کفِ حنائی کا
مرے قدم سے ہے سرسبز بوستانِ جنوں — ہر ایک آبلہ گل ہے برہنہ پائی کا

جو ایک شب ہو مرا میہماں مرا صاحب تمہیں ہو اُس میں بھلا کیا زیاں مرا صاحب
کمر میں خنجر و تیغ و سپر حمائل سے یہ سج بنا کے چلے ہو کہاں مرا صاحب
نقاب رو سے اوٹھا بیحجاب ہو بیٹھو کوئی تو غیر نہیں ہے یہاں مرا صاحب

وقت سحر نہ کھینچے اگر موہنہ سے تو نقاب مانندِ ماہ ابر نمایاں ہو آفتاب

آتشِ عشق کے تئیں دیکھ میری جان کے بیچ لالہ حسرت سے ہوا داغ گلستان کے بیچ

اے شاہِ گل چمن میں جو دیکھا ترا جمال پاؤں پر گر پڑی تیرے بے اختیار شاخ
ہوتی ہے فصلِ گل میں جو مستِ بہار شاخ کیا کھینچتی ہے دورِ خزاں میں خمار شاخ

نہ دیا اس کو یا دیا قاصد میرے نامے کوں کیا کیا قاصد

جو وو خورشید طلعت شام ہووے بام پر ظاہر نہووے صبحِ محشر تک خجالت سے قمر ظاہر
فروغِ شمع ہو چھوں پردۂ فانوس سے روشن میرے سینہ سے یوں ہے آتشِ داغِ جگر ظاہر

تجھ بن سرشکِ خون کا آنکھوں سے طغیاں اس قدر
برسا نہیں اب تک کہیں ابرِ بہاراں اس قدر
گلشن میں گر دیکھیں مجھے ہوں سنبل و نرگس خجل
دل ہے پریشاں اس قدر آنکھیں ہیں حیراں اس قدر
رکھتا ہے تو جس جا قدم ہوتا ہے لوہو کا نشاں
پامال کرتا ہے کوئی خونِ شہیداں اس قدر

کہا میں اُس بتِ ابرو کماں کی خدمت میں — خدنگِ ہجر نے تیرے کیا ہے مجکو فگار

نہ رحم تیرے دلِ سخت میں ہے غیراز ظلم — نہ میرے نالۂ جانسوز میں اثر ہے یار
نہ تاب ہجر میں رکھتا ہوں نے اُمیدِ وصال — خدا ہی جانے کہ کیا اس کا ہیگا آخرِ کار
ہر ایک دن یہ مجھے سوجتا ہے جی تن سے — نکل ہی جائیگا ہمراہِ آہِ آتش بار
نہ تو مزار پہ آوے گا تا دمِ محشر — رہے گا دیدۂ گریاں کو حسرتِ دیدار
یہ سنکے کہنے لگا وو ستمگرِ بے رحم — میری بلا سے جو مر جائیگا تو اے بیدآر
عبث تو مجکو ڈراتا ہے اپنے مرنے سے — ہزار مجھ سے مرے مر گئے ہیں عاشقِ زار

یک شمّہ تجھ شمیمِ بدن سے ہے بوئے عطر — پہنچا ہے پیرہن کو ترے آرزوئے عطر
اے رشکِ گل عبث ہے تجھے جستجوئے عطر — تیری شمیمِ زلف پہ قربان ہے بوئے عطر

خاک و خوں میں ہے طپاں عاشقِ غمناک ہنوز — تشنہ ہے تیغِ جفائے بتِ بیباک ہنوز
سینکڑوں کشمکشِ زلف سے شانے ٹوٹے — نوبت آئی نہ تری اے دلِ صد چاک ہنوز

ہے بعد مرگ گور میں شورِ جنوں ہنوز — ہیں کشمکش میں دست و گریباں کی ہوں ہنوز
دعویٰ کبھی کیا تھا تری چشمِ مست سے — نرگس چمن میں شرم سے ہے سرنگوں ہنوز

او سکو حنا کی دل میں نہ باقی رہی ہوس — اے خونِ کفِ نگار ہے ایسا ہی جرم کہ بس

جولاں ندے تو رخش کو اے نازنیں سوار — لاکھوں ہی جانیں ہیں ترے زیرِ سُمِ فرس

عبث کرتا ہے اوس سے اے دل اب عرض — گدا کی بادشاہ سنتا ہے کب عرض
میں جا کر بزم میں اوس شمع رو سے — کیا سوزِ دل اپنا ایک شب عرض
لگا کہنے کہ اے بیدارؔ سن تو — یہی کہتا ہے تو کرتا ہے جب عرض
جلاؤں گا میں پروانے کی مانند — جو کی بارِ دگر اے بے ادب عرض

چھوٹے اب اس شعلہ رو کا مجھ سے کیونکر اختلاط
چھوڑ کب سکتا ہے آتش سے سمندر اختلاط
آتشِ حسرت پہ ہو جاتے ہیں لختِ دل کباب
اوس لبِ مے گوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط

جاتا ہے میرے گھر سے دلدار خدا حافظ — ہے زندگی اب مشکل اے یار خدا حافظ
یوں مہر سے فرمایا اوس ماہ نے وقتِ صبح — ہم جاتے ہیں اب تیرا بیدار خدا حافظ

روشن مثالِ شمع ہزاروں ہیں غم کے داغ — تربت پہ دل جلوں کی نہیں حاجتِ چراغ
ہنستا ہوں ورنہ بوسے کی طاقت کہاں مجھے — کاہے کو اتنی بات سے ہوتے ہو بد دماغ

نہ آیا تجکو اے بادِ خزاں حیف — کیا تاراج گل کا خانماں حیف

گمانِ بیوفائی مجکو اے پیارے نہ تھا مطلق — گر ایسا جانتا تجھ سے نہ ہوتا آشنا مطلق

کیا ہوا اگر کینہ جوئی پر ہے آہنگِ فلک — بس ہے تیرِ آہ اے دل اب پئے جنگِ فلک

چرخ کی گردش سے یوں پھرتا ہے اِس دنیا کا رنگ
جس طرح یکساں نہیں رہتا حِنائی پا کا رنگ
سر پہ دستارِ بسنتی بر میں جامہ قرمزی
کھُب گیا دل میں ہمارے اوس گلِ رعنا کا رنگ
آج ساقی دیکھ تو کیا ہے عجب رنگِ ہوا
سُرخ ہے کالی گھٹا اور سبز ہے مینا کا رنگ

آہ کیا شرح کروں حالتِ بیماریٔ دِل
طلبِ مرگ کا باعث ہے مجھے زاریٔ دِل
تو نے یکدن بھی نہ کی آن کے غمخواریٔ دِل
کیسے کیسے الم اس دل پہ گذر گئے تجھ بن

نے فقط تجھ حُسن کی ہے ہند کے خوباں میں دھوم
ہے تری زُلفِ چلیپا کی فرنگستان میں دھوم
کیا کریں وابستۂ کوئے بتاں ہیں ورنہ ہم
کرتے جیوں فرہاد و مجنوں دشت و کوہستاں میں دھوم

خاک عاشق کی ہی ہووے ہے نثارِ دامن
اے مری جان تو مت جھاڑ غبارِ دامن
دوستو مجکو نہ دو سیرِ چمن کی تکلیف
اشک ہی بس ہے مرا باغ و بہارِ دامن
سُرخ جامہ پہ نہیں تیرے کناری کی چمک
برق اس ابر میں ہوتی ہے نثارِ دامن
خلشِ خارِ رہِ عشق سے اب اے ناصح
نہ رہا ایک بھی ثابت مرا تارِ دامن

شبِ ہجراں میں نہ پوچھو کہ میں کیا کرتا ہوں
صبح تک شمع کی مانند جلا کرتا ہوں

تلخ دشنام تری ہیں شکرستاں جانوں　　یہ بھی قسمت ہیں اگر ہوئے تو جاناں جانوں

یارب جو خارِ غم ہیں جلادے انھوں کے تئیں　　جو غنچۂ طرب ہیں کھلادے اُنھوں کے تئیں
انکارِ حشر جنکو ہے اے سروِ خوش خرام　　یکروز اپنے قد کو دکھادے اُنھوں کے تئیں
کہتے ہیں ابرو اور مژہ خوں ریز ہیں تیرے　　ظالم کبھی ہمیں بھی دکھادے اُنھوں کے تئیں

تجھ بن ہے بیقرارِ دل اے ماہ کیا کروں　　کٹتی نہیں ہے ہجر کی شب آہ کیا کروں
نے دل نہ دلربا نہ مرے جی کے تئیں قرار　　حیراں ہوں اس ہیں اے میرے اللہ کیا کروں

مجھ درد کی خبر تجھے اے بیوفا نہیں　　جانے تیری بلا کہ تو عاشق ہوا نہیں

آوے اگر ایجان تو مستِ شراب آغوش ہیں
ہووے حسرت سے دلِ حاسد کباب آغوش ہیں
جیسے رکھتا ہو صدف دُرِ خوش آب آغوش ہیں
روز و شب رکھتا ہوں طفلِ اشک ناب آغوش ہیں
یک طرف کو پارۂ دل یک طرف لختِ جگر
آتشِ ہجراں سے ہوتے ہیں کباب آغوش ہیں
ہے یقیں آوے گا بر ہیں آج وو خورشید رو
خواب ہیں آتا ہے میرے ماہتاب آغوش ہیں
نقدِ جاں تو کھو چکا دل کوچۂ جاناں ہیں تو
کیوں نہ رہتا ہے اب اے خانہ خراب آغوش ہیں

یہ ہوا یہ سبزہ یہ ابرِ بہاراں پھر کہاں — یہ بُتاں یہ نشہ یہ مے مے پرستاں پھر کہاں
عشق نے تیرے کیا ہے دل کو میرے داغ داغ — سیر کر لے شمع رو ایسا چراغاں پھر کہاں

عبث کرے ہے تو وعدے خلاف ملنے کے — تری قسم ہے مجھے جان اعتبار نہیں

ترا جمالِ دِل افروز جس نے دیکھا ہو — شبِ سیہ میں نہ محتاج روشنی کا ہو
سرشکِ دیدۂ گریاں فراقِ جاناں میں — بعید کیا ہے اگر رفتہ رفتہ دریا ہو
دیکھا مت آئینہ اوس سادہ رو کو مشاطہ — مبادا دیکھ کے اپنا ہی آپ شیدا ہو
نہ دلبری نہ دلاسا نہ مہربانی ہے — کوئی فریفتہ کس آرزو پہ تیرا ہو
نہوئے طاقتِ دیدار مثلِ پروانہ — فروغِ شمعِ رُخِ یار گر ہویدا ہو
کہا میں رات کو اوس شوخ محفل آرا سے — نقاب رو سے اُٹھا دے بھلا جو تو کیا ہو

تم جو کہتے ہو کہ عاشق کا فغاں سنتے ہو — یہ تو کہنے ہی کی باتیں ہیں کہاں سنتے ہو
جب سے دیکھا ہے رُخِ صاف تمہارا پیارے — تب سیں حیراں ہے یہ دلِ آئینہ ساں سنتے ہو

مکتبِ حُسن میں صد ناز و ادا سیکھا تو — عوضِ مہر و وفا جور و جفا سیکھا

داد رس ہے شہِ گُل شکوۂ صیاد کرو — اے اسیرانِ قفس نالہ و فریاد کرو
سرمۂ دیدۂ عشاق ہے یہ اے خوباں — اپنے کوچہ سے مری خاک نہ برباد کرو
میں وہ دیوانۂ زنجیر گسل ہوں کہ مجھے — تم کو اے اہلِ جنوں چاہیئے اوستاد کرو

دل کو میں آج ناصحا اوس کو دیا جو ہو سو ہو — راہ میں عشق کی قدم اب تو رکھا جو ہو سو ہو
یا ترے پاؤں کو لگے یا ملے خاک میں تمام — دل کو میں خوں تو کر چکا مثلِ حنا جو ہو سو ہو
یا وو اُٹھا دے مہر سے یا وو کرے تیغ سے جدا — یا آکے آج پانوئں پر سر تو رکھا جو ہو سو ہو

گذر ہماری طرف کر تو اے نگار کبھی — کہ کامیاب ہوں ہم سے امیدوار کبھی

چمن میں گر اوس گلبدن کا گذر ہو — عرق میں خجالت سے گل تر بتر ہو

اُلفتِ خار و خس ہے دامن گیر — چھوڑ سکتا نہیں بیاباں کو
جانتا ہوں ازل سے میں بیدار — قبلۂ عشق شاہِ مرداں کو

تیری محفل میں اگر ہو گذرِ پروانہ — نہ پڑے شمع پہ ہرگز نظرِ پروانہ
اُوڑ گئے جل کے سبھی بال و پرِ پروانہ — کچھ بھی ہے شمع آخر تجکو خبرِ پروانہ
ہے زمانے سے جدا روز و شبِ سوختگاں — شام کہتے ہیں جسے ہے سحرِ پروانہ

دیکھ تجھ کاکلِ مشکیں کی ادائیں شانہ — دونوں ہاتوں سیتی لیتا ہے بلائیں شانہ
ایک دن گر نہ ملے تجھ سے تو ہو آشفتہ — دیکھ لے گیسوئے مشکیں کی وفائیں شانہ

ہم ہی تنہا نہ تیرے عشق کے بیمار موئے — اس مرض میں تو کئی ہم سے گرفتار موئے

ترے کیا ہات آیا اس ستم سے باغباں سچ کہہ — اوجاڑا کیوں چمن میں بلبلوں کا آشیاں سچ کہہ

لب رنگیں ہیں ترے رشکِ عقیقِ یمنی ۔ زیب دیتی ہی تجھے نام خدا کم سخنی
ہار گل پہنے تھے پھولوں کے نشاں ہیں ابتک ۔ ختم ہے گلبدنوں میں تری نازک بدنی
میوہ باغِ اِرم اوس کو نہ بھاوے ہرگز ۔ نوبرِ بوسہ کیا جس نے وہ سیبِ ذقنی
جھوٹے وعدے ترے ایجان کروں سب باور ۔ دِل شکستہ نہ کرے گر تری پیماں شکنی

دوستو جانے دو اب بات اٹھاوو ہم سے ۔ زخم یہ وہ ہے کہ بہ ہو نہ سکے مرہم سے
مہرباں خیر تو ہے کس پہ ہو غصہ کہیے ۔ آج آتے ہو مجھے کچھ تو نظر برہم سے
جس قدر چاہے تو دے مے کہ یہ مست ہوں ہیں ۔ امتیاز اُٹھ گیا ساقی مجھے بیش و کم سے

تھم گیا اشک شبِ ہجر میں روتے روتے
سحرِ وصل کو مدت ہوئی ہوتے ہوتے
دیکھتا کیا ہوں کہ آیا ہے میری بالیں پر
رات کو یار مرے خواب میں سوتے سوتے

کیونکر عاشق سے بھلا کوچۂ جاناں چھوٹے
بلبلِ زار سے ممکن ہے کہ بستاں چھوٹے
غرق ہو جائیں پلک مارتے لاکھوں طوفاں
اشک ریزی پہ اگر دیدۂ گریاں چھوٹے

عاشقوں میں جو کوئی کشتۂ کاکل ہووے
اوس کی تربت پہ سدا سبزۂ سنبل ہووے

سنگ غیرت سے مرا شیشۂ دِل ہو ٹکڑے
آشنا لب سے ترے جب قدحِ قلِ ہووے
قدر ہمدرد کی ہمدردہی جانے بیدار
سُن کے افسردہ میرے حال پہ بلبل ہووے

زُلف اُوس رُخ پہ صبا سے جو پریشاں ہوجائے
سحر و شام بہم دست و گریباں ہوجائے
گیسوے مشک فِشان و رُخ رنگیں سے ترے
سُنبل آشفتہ و گُل چاک گریباں ہوجائے

سامنے ہوتے ہی اوس رُو کی درخشانی سے
نقش دیوار ہوا آئینہ حیرانی سے
شاید اس صفحۂ رخسار پہ نکلا ہے خط
نامہ بھیجا ہے مجھے اب خطِ ریحانی سے

سلام بھی ہے زمانے میں اور دعا بھی ہے
ہمارے یار نے قاصِد سے کچھ کہا بھی ہے

رکھے ہے بسکہ یہ گردش میں روزگار مجھے
برنگِ برق نہیں ایک جا قرار مجھے
سیا تو ہے یہ کوئی دم میں اس گریباں کا
جُدا جُدا نظر آتا ہے تار تار سے مجھے

اشک گُل گوں گر ابھی آنکھوں سے جاری کیجئے
شرم سے پانی تجھے ابرِ بہاری کیجئے

خواب میں بھی اوس کو ہم تک پہنچا دُو بھر ہوئے
واہ واہ اے شرم یہاں تک پردہ داری کیجئے
آخر اے بیدار دیکھا کیا ترے جی کو بنی
ایسے ظالم سے میں کہتا تھا نہ یاری کیجئے

نشہ میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے　　اتنی رخصت دیجئے بندہ نوازی کیجئے

کیا کہوں گذری ہے جو کچھ ہجر میں خواری مجھے
یاد آتی کچھ نہیں جز نالہ وزاری مجھے
اب تو دل نے لا پھنسایا ہے قفس میں عشق کے
دیکھئے کیا کیا دکھاوے گی گرفتاری مجھے
نشۂ حبِّ علی سے اس قدر سرشار ہوں
روزِ محشر تک نہیں آنے کی ہشیاری مجھے
اس سبب مشہور عالم میں ہوا بیدار نام
بس کہ تیری یاد میں رہتی ہے بیداری مجھے

نہ وفا ہے نہ مہر والفت ہے　　اے ستم گر یہ کیا قیامت ہے

اُٹھ کے لوگوں سے کنارے آیئے　　کچھ ہمیں کہنا ہے پیارے آیئے

میرِ مجلسِ رنداں آج وو شرابی ہے　　خونِ دل مرا جس سے بادۂ گلابی ہے

دل کو سخت بے تابی چشم کو ہے بے خوابی
ہجر میں ترے ظالم یہ یہ کچھ خرابی ہے
ہم ہیں اور تم ہو یہاں غیر تو نہیں کوئی
آ گلے سے لگ پیارے وقتِ بے حجابی ہے
رات ہے ابھی باقی صبح تک تو ہونے دے
تجکو گھر کے جانے کی ایسی کیا شتابی ہے

تجھ بِن تو ایک دم نہیں آرامِ جاں مجھے
اس درد و غم میں چھوڑ چلا تو کہاں مجھے

جس دِن تم آ کے ہم سے ہم آغوش ہو گئے
شکوے جو دل میں تھے سو فراموش ہو گئے
اے جان دیکھتے ہی مجھے دور سے تم آج
یہ کون سی ادا تھی کہ رُو پوش ہو گئے
بیدار بس کہ روئے ہم اوس گل کی یاد میں
سر تا قدم سرشک سے گلپوش ہو گئے

عاشق کا اگر دیدۂ خوں بار نہ ہووے
تو رشکِ چمن کوچۂ دل دار نہ ہووے
بخشی ہو جسے تجھ قدحِ چشم نے مستی
وہ روزِ قیامت کو بھی ہشیار نہ ہووے

حرف (پ)

پروآنہ

در ہنگامہ آرائی ممتاز و یگانہ، ضیاء الدین شاہ پروآنہ۔ پروانۂ شمعِ محفلِ استعدادِ فطرتش از شعلۂ توجہ سید سراج الدین سراؔج فروغِ خوش لہجگی ورزید، و فتیلۂ فکرش از مشعل افروزیِ آں زینت بخشِ انجمنِ فطرت چرب زبانی گزید، روشنیٔ ماند و بُود شس از معمورۂ برہان پور است، و در فطانت مزاجی و صاحب شعوری مشہور۔

شاہ پنچھی پنچھی

نہ کام شمع سے تھا اور نہ انجمن کے ساتھ
غرض پتنگ کو جلنا ہی تھا لگن کے ساتھ

فلک احوال سیں میرے جو واقف کار ہو جاتا
تو گر پڑتا زمیں پر چرخ کھا مسمار ہو جاتا
نہیں چھپتا ہے پنچھی دردِ دل ہرگز چھپانے سیں
نہ کرتا تو بیاں تو خود بخود اظہار ہو جاتا
نہ تھا شیریں کو فرمایش سیتی قصد آزمائش کا
....

مدت ہوئی کہ مجھ سیں میرا دل جدا ہوا
معلوم نہیں کہ کس سے ملا جا کے کیا ہوا

روے زمیں پہ کچھ کہیں اوسکا سراغ نہیں
تحت الثریٰ کو جاتا رہا کیا بلا ہوا

قاصد وہاں کسو سیں خبر اوس کی پوچھیو
شاید کہ ہو گلی میں دوانا پڑا ہوا

حالت تو بے خودی کی تھی اوس کو خبر نہیں
بندا کسو کا جا کے ہوا یا خدا ہوا

کیا کم ہے مرض موت سیتی درد ہجر کا
کہتے ہیں زندہ ہوں میں و لیکن موا ہوا

ہے وصیت شیشۂ مے میری تربت پر رکھو
سبزہ مینا سیں ہو شاید کہ تخفیفِ عذاب

غم میں کیا خوب گذرتی ہے میری بھی اوقات
کبھو ہنستا ہوں کبھوں روتا ہوں ہیہات ہیہات

جوشِ غم سیں نہ رہی اشک و باراں کی تمیز
نہیں معلوم کہ میں روتا ہوں یا ہے برسات

جس کسو کو عشق کی تپ دق ہو آزاروں کے بیچ
وصل کا شربت شفا ہے تجربہ کاروں کے بیچ

اس قدر ناداں نہیں ہوں میں کہ دل باتوں میں دوں
عمر گذری اے سجن تمہیں سے عیاروں کے بیچ

ہر نگہ ظالم کی کافر دشمنِ آرام ہے
شور ہے چشم سیہ اوس کی کا بیماروں کے بیچ

گرچہ جاں بازِ محبت ہوں گے عالم میں بہت
پر کوئی ہم سا بھی کم ہوگا دل افگاروں کے بیچ

جب تلک ساقی نہیں پیتا ہوں میں جامِ صبوح
تب تلک واللہ قالب سیں جدا رہتی ہے رُوح
آپ نے طوفان عالم میں سنا ہوگا کبھو
ہم نے ان آنکھوں سے دیکھے ہیں کئی طوفانِ نوُح

رات کو گھر میں چکوروں کے پھرے ہیں مجھ بغیر
ماہرُو جی کا ترے حافظ خدا ہو شب بخیر
جب کہیں جاتے ہیں ہم تب یاد کرتے ہیں بتاں
حضرت یکجھی ہمارا خوب تھا یادش بخیر

ہر گھڑی ٹپکے ہے شبنم برگِ گُل سیتی
کر دوانا ہمکو اب آنسو بہاتی ہے بہار
ہر طرف زنجیر کی جھنکار سوں شعلہ اوٹھے
شاید اب کے سال دیپک راگ گاتی ہے بہار

ہم تم اگر مقابل بیٹھیں تو کچھ عجب نہیں
لگتی ہے ایک جا پر شاہ و گدا کی تصویر
نقش اوس صنم کے رو کا نقشِ نظر ہے یکجھی
کھینچی ہے اپنے دل پر ہم نے خدا کی تصویر

ابرو ترے میں دل ہے اب چیں نہ کر جبیں پر
مت گر پڑے یہ شیشا اس طاق سیں زمیں پر
دیوانے دل کو اپنے ہائے اس طرح سیں پنچھی
کیوں مبتلا کیا ہے اوس شوخِ نازنیں پر

آپ سیں ہم نے رکھا ہے اب تلک برپا قفس
ورنہ کھینچے ایک دم گر آہ تو جل جا قفس

مونہہ کو اپنے مت لیجا زاہد اوس آتش رُو کے پاس
شرم رکھ ڈاڑھی کی کیوں رکھتا ہے انگاروں پہ گھاس

اب زمانے میں کوئی پنچھی کہیں آزاد نہیں
دل کے تئیں سینا قفس روحی کے تئیں ہے بن قفس

یک نگہ میں کھو دیا شبنم کا سارا خانماں
دیکھ لی خورشید کی ہم ہمتِ دوں کا تلاش
دشت میں مجنوں موا اور بے ستوں میں کوہکن
عاشقوں کے حق میں خونریزی ہے گردوں کا تلاش

حسرت آتی ہے اوسے ہم زلفِ خوباں دیکھکر
کیا گذرتی خوش ہے جمعیت سیں شانے کی معاش
کرے پنچھی اس قدر سعی عمل جو بعدِ مرگ
یہ نہو کہنے کو کیا بد تھی فلانے کی معاش

اشکِ خوں بن کون کرتا ہے دلِ افگاروں کی عرض
کون بن نالے کے پہنچاوے گرفتاروں کی عرض

کچھ عجب نہیں ہے جو شیشا دل کا جا ظالم سیں پھوٹ
چشمِ بدمست اوس کی کب سنتی ہے ہوشیاروں کی عرض

ساقی چلی شتاب چمن سیں بہار حیف
دل کی میرے ہوس نہ بر آئی ہزار حیف

کوہکن نے جو کیا کام نہ کرتا پرویز
جانِ شیریں سیں گذرنا ہے نہایت مشکل

قفس کا عیش ہمیں اب تلک نہ تھا معلوم
اسیر ہو کے کیا دل نے یہ مزا معلوم
ییں پنچھی ایسے سخن فہم کا فدا ہوں گا
جو کوئی اشارے میں کرتا ہے مدعا معلوم

میکدہ اب نہیں رہا آگے جو تھا بیت الحرام
حضرتِ انگور کے جب سیں ہوئے داماد ہم

بلا ہے حق میں میرے زلف کا دام
کہ منزل کو نہ پہونچے ہو گئی شام

کر چکے ہم نالہ و فریاد بلبل کی قسم
ابتو حسرت سیں گریباں چاک ہیں گل کی قسم

جس نے خوباں سیں مل کر کھو دیا آرام کو میرے
میں ایسے دشمن جانی کے تئیں کب دل سمجھتا ہوں
ہمارا دل ہے پنچھی معرفت کی شمع سیں روشن
وگرنا اس تنِ خاکی کو آب و گل سمجھتا ہوں

پنچھی ہُو بے نیاز قلندر رہوں پاک باز — دنیا و دین کا مجھے یک ذرّہ غم نہیں
تختا ییں جانتا ہوں سکندر کا آئینہ — کُوزا اگلی سمجھتا ہوں ییں جامِ جم نہیں

دیکھنا اور توجہ کی نظر ہے کچھ اور — آنکھ کے لگنے کے تئیں دامِ بلا کہتے ہیں

منصب جنوں کا رکھتے ہیں زلفاں کے دام میں — جاگیر تھی ہمارے نصیبوں کی شام ییں

یار اگر حکم کرے تابعِ فرمان ہو جاؤں — ٹک اگر میری طرف دیکھے تو قرباں ہو جاؤں

بھم ایک آن ییں مہر و جفا کِسو سیں نہو — کیا جو تم نے سجن ہم سے کیا کِسو سیں نہو
ادا تو اور بھی کرتے ہیں خوبرو پیارے — جو تم سیں ہوتی ہے پھر یہ ادا کسو سیں نہو

نہ کام شمع سیں تھا اور نہ انجمن کے ساتھ — غرض پتنگ کو جلنا ہی تھا لگن کے ساتھ

کہاں آتا ہے رحم اوس کو ستم کا جو مزا جانے — مرے کوئی یا جیے صیاد ظالم کی بلا جانے

کون کہتا ہے کنچنی کو رانڈ — وو تو پنچھی سدا سہاگن ہے

یار کی جور و جفا کاری کے تئیں کیا کیجئے — گو کہ طاقت نہیں ہے ناچاری کے تئیں کیا کیجئے
نے رقیبوں نے ستایا نے سیہ چشموں نے کچھ — بے سبب اس دِل کی بیماری کے تئیں کیا کیجئے
کب ہمیں پنچھی تھی ان خوباں سیں ملنے کی خوشی — خود بخود دِل کی گرفتاری کے تئیں کیا کیجئے

جو دیکھتا ہے سو جاتا ہے تجھ پہ شیدا ہو   جو ساری دُنیا دِوانی ہو تو تماشا ہو

کہاں ہم اور کہاں تم اور کہاں یہہ شیشہ و پیالہ
جو پینا ہو تو پی لے اے سجن یہ دور چلتا ہے

گئی جب عُمر آدھی پھر مزا جینے کا نہیں کچھ   کہ دن ہر دم کمی ہے دوپہر سیں جب کہ ڈھلتا ہے
محبت ہم سیں اس حقے نے پنچھی اس قدر بانٹی   کہ دم سازی سیتی نی کی دھواں دل کا نکلتا ہے

وو پری رو نہیں چھپنے کا مری آنکھوں سے   یہ سلیمانی ہر ایک خانے میں جا پھرتی ہے
دیکھ پنچھی نہیں رہنے کے سدا ایسے دِن   اب کوئی روز میں کوئی اور ہوا پھرتی ہے

اب زمانے میں کوئی یار کہاں ہوتا ہے   گر ہُوا بھی تو وفادار کہاں ہوتا ہے
جگ میں عُشاق تو لاکھوں ہیں ولیکن نہا کر   کوئی ہم سا بھی دِل افگار کہاں ہوتا ہے

ہائے پنچھی بے قراری دل کی ہائے   ہائے رے بے اختیاری دل کی ہائے

مرا دِل کیوں نہ ہو خوں لال تیرے پان کھانے میں
کہ عالم ہو گیا پامال اس برگی کے آنے میں
سر اپنا بیستوں میں عشق کے فرہاد نے چیرا
دیا ہیچ اوس کو یہہ شیریں نے خسرو کے بتانے میں

خوبرؤ ظلم سیں نہیں ڈرتے — کیا خدائی اُنہوں کے گھر میں ہے

جا قفس میں تو جست کی نہ رہی — کچھ حلاوت نشست کی نہ رہی
مت کر آزاد ہم کو اے صیّاد — طاقت اب دوڑ دست کی نہ رہی

ہمیں بھی کعبہ جانا آرزو ہے — پہ چڈھنے میں گدھے کے گفتگو ہے

نہ پوچھا شمع نے جلنے کا پروانے سبب کیا ہے
تیرا رہ رہ کے جی دینے کا دیوانے سبب کیا ہے

کان پھڑکیں ہیں مگر پیغام لاتا ہو کوئی — دل تڑپتا ہے مرا شاید کہ آتا ہو کوئی

چھوڑا اس زندگی کی قید سیتیں — ارے قاتل ہماری بھی خبر لے
تو پنچھی اس جدائی کے دکھوں سے — مرنگا آخر آج ہی کیوں نہ مر لے

بہار آئی ہے پنچھی تو دِوانا مجکو سودا ہے
چل اب ہم ہیں و تو ہے اور کھلا دامانِ صحرا ہے

جس طرح تبں نے پتنگوں کے جلایا پر کے تئیں
اوس طرح سیں آگ لگیو شمع تیرے گھر کے تئیں
عشق کے جوشوں کے آگے نرم ہو جاتے پہاڑ
کوہکن نے کاٹ ڈالا لوہے سے پتھر کے تئیں

قدرِ نعمت کی مقرر ہے کہ بعدِ زوال　　بعد جانے کے مرے قدر کو جاناؔ دل سے

جو نہیں آتی ہے خاطر میں تری میرے کہے
جس میں تو راضی ہوا ے یار سو ہی بات سہی

ساعتِ وصل تھی اور جان نے رخصت مانگی
ہم نے ہر چند کہا اوس کو کہ رہ جا نہ رہی

تھا لکھا خطِ جبیں روزِ ازل سے یونکر　　میں اور آوارگیٔ دشت توں اور کج کلہی

اور ہی کچھ آن اب پکڑی ہے آگے جو نہ تھی　　بے وفا عیار تو تھا پر ستم کی خو نہ تھی
عشق سیں مجنوں کے جگ میں ہو گئی ہے نام زد　　ورنہ لیلیٰ خوبرویاں میں تو کچھ خوش رو نہ تھی

چاندنی سیں آبلے پڑتے ہیں پنچھی پاؤں میں　　آج کی شب ماہرو بن سیرِ مہتاب آتش ہے

نہیں آتی ہے کچھ کہنے میں بات اے یار کیا کہیے
زباں حیرت سیں گویا مونہہ میں ہے بیکار کیا کہیے
جو پتھر پوجتے اب تک تو وہ بھی نرم ہو جاتا
تری سنگیں دلی کو اے بتِ عیار کیا کہیے

دل میرا گوچہ گل رو میں ہے اس طرح مقیم　　جیونکہ گلشن میں نسیمِ سحری رہتی ہے

کس کے یہاں دیدۂ غمناک گڑے ہیں تہِ خاک
کہ زمیں جس کی تراوت سیں ہری رہتی ہے

نہ اُسے دین کی خواہش ہے نہ دنیا کا تلاش
شاہ پنچھی کو عجب بے خبری رہتی ہے

اگر منزل کے جانے سیں رہے ہم تو عجب نہیں ہے
کہ عالم میں پڑی شام اون نے جب بالوں کی لٹ کھولی

مقدور سیں زیادہ چلا نہیں کسو کا زور
سر پر گرا پہاڑ تو فریاد کیا کرے

ابرو کماں چڑھائے کہتا ہے بات اکڑ کے
جی تو لیا ہمارا اب کیا کرے گا لڑ کے
کیا تاب آئینہ کو سنمکھ جو ہو تمہارے
خورشید دیکھ کانپے چھاتی سحر کی تڑکے

رکھتے نہیں خبر کچھ اس جان و تن کی اپنے
جس دن سے مبتلا ہیں پیارے سجن کے اپنے
لیتے ہیں کیا مزے ہم و عدوں سے جھوٹے اُس کے
کیونکر نہ ہوں دِوانے پیماں شکن کے اپنے

خارجی ہے غیر پنچھی دِل کے بیچ
جب سیں حُبِّ مرتضیٰ پھرنے لگی

مجھ دل کے اگر درپئے آزار نہ ہوتے
تو مردمِ چشم آپ کے بیمار نہ ہوتے
اس عشق میں کیا زندگی آرام کی کٹتے
معشوق اگر اب کے ستم گار نہ ہوتے

اس جدائی میں نہ جانو کہ سلامت گذری
جو گھڑی گذری سو گویا کہ قیامت گذری
کاش مر جاتے تو بہتر تھا اسی اندوہ سیں
بعد رخصت کے ہمیں سخت ندامت گذری

حرف (ج)

جرأت

شیرِ بیشۂ فصاحت، موسوی خان جرأت۔ نامِ اصلیٔ او میر محمد ہاشم است و سلسلۂ نسبش بہ بست واسطہ بسابع ایمۂ ہدیٰ علیہم التحیۃ والثنا میرسد۔ پدرش میر محمد شفیع وجدّش میر سید علی کہ از گیلان بہند شتافتہ در اورنگ آباد دکن رنگِ اقامت ریختہ بود۔ ولادتِ خان جرات در سنہ ثمان و ثمانین والف در شہرِ مذکور واقع گردید و نخلِ قابلیتش در ظلِ تربیتِ والدِ خود برومند شدہ، ثمرِ مُراد از علوم برگرفت۔ اوائل در ریاستِ ساداتِ بارہہ قلعہ دارِ دھارور من مضافاتِ خجستہ بنیاد دکن بود۔ در عہدِ نواب آصفجاہ طاب ثراہ، بمنصبِ دو ہزار و پانصدی و خدمتِ منشی گری سرکار عزِ امتیاز یافت و در زمانِ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید بمنصبِ چہار ہزاری و خطابِ معز الدولہ علمِ افتخار برافراخت۔ بتاریخ ششم شعبان سنہ خمس وسبعین و مایۃ الف در اورنگ آباد عندلیبِ حیاتش بغزلخوانیٔ ممات مایل گردید۔ میر غلام علی ارشد کہ ذکرش بالا گذشت تاریخ وفاتش چنیں یافتہ۔ "بسیرِ جاودانی کرد جرأت"۔

(حرف ح)

حشمت

شمعِ بزمِ سیادت محتشم علی خاں حشمت۔ پدرش میر باقی خالوزادۂ عالمگیر بادشاہ، اجدادش از بدخشاں بہ ہندوستان آمدہ توطّن ورزیدند، ولادتِ حشمت درہمیں گل زمینِ اتفاق افتاد، درسنہ ثلاث و ستین ومائۃ والف مراحلِ مرگ پیمود والہ داغستانی درریاض الشعرامی نگارد کہ روزے دیوانش مطالعہ میکردم تابایں بیت رسیدم۔

نہ ہر ایرانئ ہم طرحِ حشمت می تواند شد

نہ ہر چینی فروشے ہمسرِ فغفور می گردد

وسببِ مطعون شدنِ ایں فریق ایں کہ چند کس از مردمِ ایران بعنوان سوداگری در شاہجہان آباد دوکانِ چینی فروشی برچیدند و درہندوستان دوکانداری برائے ایں جماعت تنگ است لہٰذا موردِ طعن شدہ اند، ونیز قاطبۂ خلق ایرانی را بوقت طعن بچینی فروش یاد می کنند چنانچہ سابق نیز گفتہ۔

مازبانِ اہلِ ایراں را بھوے بستہ ایم　　دستِ ایں چینی فروشاں را بموے بستہ ایم

عرق حمیت بجوش آمد ایں دو بیت برحاشیۂ دیوانش نوشتہ فرستادم۔

باستادانِ ایراں ہندئ ہم طرح گردد　　بہ چینی می زند پہلو سفالیں کاسۂ بنگی

حریفِ نالہ ہائے زارِ ماہر گرنہ حشمت　　مزن انگشت برلب چینی فغفوریِ مارا ازدست

نکہتِ گُل نے جگایا کسے زنداں کے بیچ　　پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دوانوں کی خبرلو　　اگر زنجیر کرنا ہے تو کرلو

(حرف خ)

خیالؔ

محمد طاہر خیالؔ در فرس خیالؔ و در ہندی رخشاںؔ تخلص می کند۔ متوطن اورنگ آباد است تحصیل کتب عربیہ تا شرح ملا جامی بخدمت میر انور الدین دل نمودہ و کتب متداولۂ فارسیہ بخدمت محمد سیف اللہ انور خواندہ۔ دریں ایام بہ تعلیم اطفال در حیدرآباد می پردازد۔ از وست۔

ہم ان دنوں میں تو ادر ہی معاش رکھتے ہیں
نہ فکرِ دنیا نہ دیں کا تلاش رکھتے ہیں

یہ میرزا منشی ہے دماغ میں اپنے
کہ بوئے گل سے ہمیشہ خراش رکھتے ہیں

گہے ملول و گہے شاد ہر طرح رخشاں
ہم اپنی زندگی اب اس قماش رکھتے ہیں

دیوانہ کوئی دل میں تیرے راہ کیا کرے | سنتا نہیں تو کس کی کوئی آہ کیا کرے
آتے ہوں ساتھ آہ کے کٹ جس کے لختِ دل | پھر پھر وہ آہ لے میرے اللہ کیا کرے

ہم غرض تیرے ہیں پر سنیو تو اے یار ہنوز | بے وفائی کے گئے تجھ سے نہ اطوار ہنوز
خط کے آنے پہ بھی ہی تجکو وہی خود بینی | تجکو آئینہ سے رہتا ہے سرو کار ہنوز
کن نے بتلائیاں گلشن میں گلابی آنکھیں | جس سے ڈوبے ہیں لہو میں گل و گلزار ہنوز

دیکھ کاکُل کو تیرے کیونکہ جیے　　جس کی چھاتی پہ پھر گیا ہو سانپ
تو پھر جاوے ہے مجھ سے آن بجی میں　　یہ کیا ہے ڈھنگ اے اشراف زادے

بلبلوں کی طرح سے مچتا ہے پروانوں کا غُل
تُربتِ مجنوں پہ جس دم شمع سے جھڑتے ہیں گُل

(حرف و)

درگاہ

امیرِ بے نظیرِ والا فراست مُشیرِ صاحبِ تدبیر قابلِ وزارت، مضامینِ لشکر معانی سپاہ، نواب موتمن الدولہ خاندوراں سالار جنگ درگاہ قُلی خاں بہادر درگاہ۔ خلف الصدقِ خاندان قلی خاں، بست و نہم رجب سنہ اثنین و عشرین و مأتہ الف متولّد شد و در عُمر چاردہ سالگی نواب آصفجاہ غفران پناہ بمنصب و جاگیر سرفراز فرمود چونکہ بہ بست سالگی رسید ہمراہ رکاب بود و اکثر خدماتِ لائقہ حضور داشت تا حینِ حیاتِ نوّاب موردِ عنایات بود۔ و در وقتِ نظام الدولہ ناصر جنگ بانواع مراحِم و خدماتِ لایقہ مامُور بود۔ و در زمانِ امیر الممالک صلابت جنگ بمنصبِ ششش ہزاری و خطابِ موتمن الدولہ و صوبہ داریِ خجستہ بنیاد مفتخر گردید۔ و در عصرِ نوّاب آصفجاہِ ثانی دام اقبالہٗ بمنصبِ ہفت ہزاری و ماہی مراتب و خطابِ موتمن الملک ممتاز گردید، و پس از چندے بخطابِ خاندوران سرِ افتخار برافراخت، و تا چہاردہ سال بہ صوبہ داری اورنگ آباد پرداخت۔ غرۂ رجب ۱۱۷۹ھ از صوبہ داری معزول شدہ پنجم ذیحجہ سنہ الیہ از انجا پرگنہ نظام آباد کہ سی کروہی خجستہ بنیاد

واقعست وجاگیرِ اُو بُود رفت۔ وہژدہم جمادی الاول ۱۳۰۸ھ بمرضِ سرسام بجنت شتافت، جنازہ نعشِ اورا از نظام آباد آوردہ در مقبرۂ پدرش دفن کردند۔ عجب قیامت بُود ایں مصراعِ تاریخش میر غلام علی ارشد گفتند "اہلِ عالم سینہ چاک از ماتمِ سالار جنگ" ازوست۔

بغیر اوس کے کہو کون شاہِ مرداں ہے
خدا نے سیف دیا اور رسول نے دختر

در مرثیۂ امام علیہم السلام می گوید۔
پکھراج غم سے زرد زمرد ہے زہر نوش
موتی کے دل میں چھید ہے نیلم سیاہ پوش
اس دکھ سے آتشِ دلِ یاقوت ہے خموش
مرجان لہو و لعل بدخشاں لہو لہو

دِلؔ

منبعِ فواضل، مجمعِ فضایل، مخزنِ معارفِ قدسیہ، معدنِ حقایقِ انسیہ، واقفِ رموزاتِ معقول ومنقول، کاشفِ دقایقِ فروع واُصول، رمز شناسِ قدسی منزل میر انور الدین دِلؔ۔ برادرزادۂ شاہ غلام نور خوش است کہ ذکرش پیشتر آمد جوانے است سرگرم اختلاط ومردیست چپاں ارتباط۔ اشفاقِ عالیش مبذولِ ایں فقیر است و در مکارمِ اخلاق ممتاز وبے نظیر، حق سبحانہٗ سلامتش دارد

(حرف ذ)

ذکاؔ

دقیقہ شناسِ بے ہمتا میر اولاد محمد خاں ذکا، برادر زادۂ میر غلام علی آزاد، بیست و ہفتم شہر رجب المرجب ۱۱۵۱ھ ہجری در مقام بلگرام کہ معمورہ ایست از مضافات صوبۂ اودھ ہندوستانِ جنت نشان، قامت را بخلعتِ ہستی آراست، و در ظلِ تربیتِ بزرگانِ خود سواد را روشن ساخت۔ نسخ متداولہ عربیہ وکتب متعارفۂ فارسیہ کہ خارج مدارج تحصیل را تلمذ آن پر ضرور می باشد طے کردہ مہذب و مؤدب برآمدہ۔ از انجا کہ موزونیٔ فطری انسان را از مناہج اکتساب علوم درسی باز می دارد، سخن طرازی از حلقہ درسِ علما اُورا واکشیدہ بخورۂ بزمِ شعرا آوردہ و از تحسین پایہ بدویں سرمایہ نشان داد، چنانچہ اندیشۂ او بیشتر متوجہ نظم شد، و از ہمگی تحصیل دلش برکند و در ۱۱۷۲ھ حسب الطلبِ عمِ مکرمِ خود میر صاحب آزاد از وطن بگلزمینِ اورنگ آباد دکن رسید، و باستفادۂ ملازمتِ کثیر الافاضتِ میر صاحبِ مذکور مباہاتش دست داد، فوایدِ علمی و نتایجِ فنونِ شعری اینجا فوق الحد بر خاطرِ او نقش بست پنج سال کاملے در حضورِ عمِ مکرم ماند ناگاہ بر مزاجش محبتِ وطن غالب آمدہ و رخصت گرفتہ روانۂ منزلِ مقصود شد۔ میانِ الہ آباد ولکھنؤ وغیرہ اکثر صاحب کمالان سخنورانِ بسیار باو ملاقات کردند، و یکسال کامل وچند ماہ با عزیزانِ وطن محشور ماند۔ آخر در ۱۱۷۹ھ نامۂ طلبِ او بارِ دوم از پیشگاہِ عمش عزِ صدور یافت، در ہماں ایام با نبیرۂ میر صاحب آزاد سید امیر حیدر نام عزیمتِ دکن اختیار کرد و نہم رجب ۱۱۷۹ھ قدمبوسِ عم او منت بر لبش گذاشت این بار نواب والا شان فیض رساں صمصام الملک بہادر میر عبدالحی خاں خلف الصدق

نواب صمصام الدولہ شاہنواز خاں مرحوم بقدر دانیٔ او پرداختند و بخطاب خانی اضافہ
برنام و جاگیرِ مبلغ پنجہزار روپیہ از جنابِ رئیسِ دکن او را مسرور ساختند۔ چہار سال
بیشود کہ در حیدر آباد دکن اقامت ورزیدہ دوام حاضر باشِ خدمتِ نواب صاحب
موصوف است۔ با محررِ سطور ربطِ کمال دارد و اکثر بمجالستِ باہم اوقات خوش
می گذارد۔ اشعارِ اُو مدوّن شدہ از انجا کہ ہمّت بجمعِ آں صرف نمی کند مسوداتش
بے شیرازہ ماندہ۔ از زادۂ طبع اُو حوالۂ خامہ نمودہ می آید۔

نہیں کہتا ہوں مطلق اپنے خط او پر ستم کرنا
بہت بالیدہ سبزہ ہو گیا ہے کچھ تو کم کرنا
تکلّف برطرف تقریبِ دعوت عرض کرتا ہوں
شہیدِ عشق کا کل عُرس ہے قاتل کرم کرنا
جہاں ہے جیوں دُکانِ شیشہ گر گھر بادبندی کا
اگر تو چاہتا ہے زندگانی ضبطِ دَم کرنا

میں ان داغوں کے ہاتھوں عمرِ دیرینہ سے درگُذرا
یہی کچھ ہے اگر یہ زندگی جینے سے درگذرا
دلِ حیراں مرے کس کام کا ہے کیا کروں لے کر
جہاں حیرت رہے میں ایسے آئینے سے درگذرا

زنجیر کے حلقہ کو یہی حکمِ جنوں ہے   آ کر کے قدم بوس کرے میرے قدم کا

مزہ تھا روزِ دارالسلطنت میں عشق کے یارو   اگر برہم نہ ہوتا کارخانہ خسروِ دل کا

سیکھے ہو تم کہاں سے چلنے میں ناز کرنا — بل دار پھینٹا سجنا دامن دراز کرنا
فرمایئے بھلا اب یہ کیا ہے میرزائی — اوروں سے ناز کرنا یہاں احتراز کرنا

خوش قد کے گر نہیں ہوس دلِ نشینِ آب
کیوں آشنا ہے سرو کے پا سے جبینِ آب

نہیں رہا ہے گریباں کا تار تار درست — جنوں کا ہات پڑے کیونکہ ایک بار درست
ضرور کیا ہے کہ سوزن کو دیجیے تکلیف — نہیں قدم سے نکلنے کا ایک خار درست

نہ رکھتا تھا کوئی عالم میں کیا یہ گلستاں وارث
کہ اوس کی گل زمیں کا ہو کے بیٹھا باغباں وارث

سخت ڈرتا ہوں مبادا دیکھ بسمل کا مزاج
ہات سے جاتا رہے بیرحم قاتل کا مزاج
رنگ پکڑے گا عجب کچھ دوستی کا گلستاں
دیکھتا ہوں اس طرف آتا اگر دل کا مزاج

مجھ سے دیوانے کی جب ٹھیری ہے مرنے میں صلاح
پوچھتے کا ہے کو پھر تدبیر کرنے میں صلاح
آج کل اے کاروانِ اشک آنکھوں سے نکل
ہے تجھے دامن کی منزل پر اوترنے میں صلاح

کیا کہوں میں تجھ سے کیفیت شبِ مہتاب کی
جس طرف دیکھو نظر آتا ہے بام و در سفید

حنائے خوں کا رتبہ کھو دیا خوبوں کے ہاتوں سے
کسے معلوم تھا ہووے گا یہ کچھ رنگِ کار آخر

سخت مشکل ہے رفو پیرہنِ نازک کا
شاید اس وجہ رہی گل کی قبا چاک ہنوز

تار سے زلفوں کی میں تیری اگر تشبیہ دوں
آسماں پر جا رہے ہر شاخِ سنبل کا دماغ

مشتاق ہو رہا ہوں شہادت کا دیر سے
پہنچے سلام خنجرِ جلاد کی طرف

شرم بھی اِن نازنینوں کی عجب کچھ چیز ہے
مر گیا دیکھ اوس حیا پرور کے شرمانے کا لطف

ہے غنیمت آج سیرِ گلستاں کا اتفاق
پھر کہاں ہم تم کہاں یہ دن کہاں کا اتفاق

اوس سرو . . . . دیکھا تری رفتار کا . . . . :
. . . . جلاد دیکھو تم ہی . . . . . مسافر کے عیاں ہے سفری رنگ

جس ہاتھ نے سو طرح مرے خوں کو ملا ہو — مہندی کے لگانے سے کہو کیونکہ بھلا ہو

ہما کے کیا گلے کا ہار ہو کوئی — یہ سایہ چیز کیا ہے جس کا منت دار ہو کوئی

جنوں کے ہاتھ سے ہم کیا کہیں دل سخت حیراں ہے
گریباں کر چکے ہیں نذر آگے اب یہ داماں ہے
تجھے واجب ہے جانا عرس میں اپنے شہیدوں کے
سنا ہوں میں کہ اون کا آج صندل کا چراغاں ہے

(حرف ر)

رمز

میر سید علی رمز۔ خلفِ ارجمند سید نوازش خاں راز است و برادر بزرگ افسر۔ با فقیر محبتِ صمیم و ربط قدیم می دارد۔ مولدش اورنگ آباد است۔ و در فنِ شعر والدش اُستادِ اکثر اوقات باہم اتفاقِ مجالست گاہے بغریب خانہ ام وگاہے بدولت خانہ اش می افتاد۔ فقیر تمنا و محمد سیف اللہ انور و صوفی شاہ کاظم و میر رمز یکجا نشستہ ذکرِ اسیر و شوکت و بیدل وغیرہ در فن تحصیلی بمیاں می آوردند، و ایں قرار دادہ شدہ بود کہ معنیِ فردِ مشکل را ہر کس علحدہ مذکور نماید، القصہ باہم عجب بکیفیت تمام می گذشت۔ حق تعالیٰ ہمہ ہا را سلامت دارد۔
ایں چند قطرۂ سیاہ از فرقِ فکرِ اوست۔

چھوٹے بھی نہ پوچھا کہ وہ ناشاد کہاں ہے

اے وعدہ فراموش تجھے یاد کہاں ہے

جوں قبلہ نما قبلہ طرف دل اودھر آوے

خنجر کو لیے ہات میں قاتل جدھر آوے

(حرف س)

مرزا محمد رفیع سودا

نکتہ سنج دانش دستگاہ، خوش ذہن والاجاہ، دانشور یکتا مرزا محمد رفیع سودا۔ در معنی پروری و مضمون گستری ممتاز است و صافیٔ ذہن و جودتِ طبعش بے انبازے۔ سخن را از گل کردن زبانش ہزار گلشن بر دست و مضمون را از سر زد بیانش چمن آبرو۔ نی شکر از چاشنیِ شعر تش پایۂ حسرت در گل است و عسل را از ذائقہ فکر شِ نیشِ نہ بود در دِل۔

نہ پوچ سنگ و گل اے شیخ اس صدا کو مان میرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہرِ نا انصاف بپائے زُہد چھپے رازِ عشق رُسوا ہو

الٰہی ہے سکت نعم البدل کے تجکو دینے کی مجھے اس کا عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر دے دل کو

روزی کو نہو مضطر ٹک دیکھ تو گوہر کو — ہے سات نصیبوں کے ہم آب و ہم دانہ
میں تجھ سے نہ کہتا تھا مت گھر سے تو نکلا کر — اب شورِ قیامت نے گھیرا ہے درِ خانہ

ٹک جاگ رے تو چھوڑ کہ غافل پلنگ و خواب
آخر تو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ و خواب
ٹوٹا وضوئے شیخ تو جورو کی اون کی نیند
اُچٹی تو یہ کہا کہ صدائے تفنگ و خواب

آہ اس دل نے تجا ننگ و حیا کو ورنہ — کیا کیا باتیں ہیں تمہاری کہ ہمیں یاد نہیں

اشک آتش و خوں آتش و ہر لختِ دل آتش
آتش پہ برستی ہے پڑی متصل آتش
یاقوت نہیں لب کی ترے شرم سے اے شوخ
جا ڈوب موئی آب میں ہو کر خجل آتش
ایک قطرۂ مے لے اوڑے سودا کو جگہ سے
بارُوت کے تودے کو ہے بس ایک تِل آتش

کھینچ کر پوست کرے گردشِ ایام سفید — چاہے تجھ چشم کے آگے جو ہو بادام سفید
رات کو بہت سا اکڑا کے چلے تھا کالا — ہو گیا دیکھ تری زلفِ سیہ فام سفید

ماریں گے ایک دو کو یا آپ مر رہیں گے — پیارے تری گلی میں کچھ ہم بھی کر رہیں گے

اے ابر جا یو مت کم رونے پر ہمارے   یہ چشم پھوٹی پھوٹی تالاب بھر رہیں گے

روتے تھے گُل کو کانٹوں کی بھی اب تو باڑ گئی
ہر ہر خزاں چمن کے تئیں یوں اوجاڑ گئی

دل میں بسنے کی تیرے مجکو نپٹ ہے شادی
چشم بد دور سلامت رہے یہ آبادی

دامن مکانِ اشک سے ہے دو قدم کی راہ   آنکھیں چرا نہ لختِ دل اتنے سفر سے تو

مے کشاں روح ہماری بھی کبھی شاد کرو   ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

سنکے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جاں کاہ کو   کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کروں اللہ کو

آگے شمشیر تمہاری کے بھلا یہ گردن   مو سے باریک تراے مو کمر اس سے کہ نہیں
دِل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں   کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراس ہے کہ نہیں

نہ دیکھا اس سوا کچھ لطف اے صبحِ چمن تیرا
گُل ایدھر لے گئے گلچیں، گئی روتی اُودھر شبنم

کون کہتا ہے کہ مت اوروں سے ملا کر مجھسے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھسے مل

نہیں بیوجہ کوچے سے ترے اُٹھنا بگولے کا
ہماری خاک بھی جاتی ہے تیری راہ کے صدقے

سراؔج

مجمعِ مکارمِ اخلاق، منشائے محاسنِ اشفاق روشن ضمیر عالی مزاج، سید سراج الدین سراؔج۔ فکرِ عالی وطبعِ رسا می داشت ودر معنی تلاشی علمِ اوستادی می افراشت، از چندے چراغِ ہستیش ببادِ صرصرِ اجل خاموش گردید واز بزمستانِ ظلم آلود بنورستانِ دارالسلام رسید۔

اوس سبزہ خط کی یاد اگر دل میں لائیے
لختِ جگر تراش زمرد بنائیے

نیں حقیقت میں حسن وعشق جدا
طوقِ قمری ہے طرۂ شمشاد

آہِ سوزاں سے مری دامنِ صحرا میں سراج
قبرِ مجنوں پہ چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

ڈورے نہیں ہیں سُرخ تری چشمِ مست میں
شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا

بے خطی میں عیاں ہے سبزۂ خط
تیرے عارض میں بس کہ صافی ہے

ترے جو لب پہ نمودار ہے سیاہیِ خط
خبر بھی ہے اثرِ دودِ آہ کس کا ہے

زندگانی دردِ سر ہے یار بن
کوئی ہمارے سر کو آکے جھاڑ دے

نازک بدن سے مست ہل گئی بیر میں کہا ہوں
جامن، ترے خوشی ہے رُسوائے عام ہوتا

خبرِ تحیرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو میں رہا نہ تو تو رہا جو رہی سو بیخبری رہی

شہِ بیخودی نے عطا مجھے کیا اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

بنی ہے بینوا تیری جدائی کے محرم میں گلے میں بلبلوں کے موجِ رنگِ گل کی سیلی ہے

سالم

خوبانِ معنی رائلہم، محمد کرم بخش سالم۔ ماہتابِ طبیعتش از فروغِ توجہ خان ذکا مقتبس النورِ خوش گوئی گشتہ وشمعِ استعدادش از شعلۂ آں مشعل افروزِ سخن طرۂ مقیشئ اصلاح بر فرقِ اشعار گذاشتہ، سلسلۂ نسبتش بہ سنی و پنج واسطہ بعمرِ فاروق میرسد۔ مدتے بخدمتِ قضائی پرگنۂ پیرپی کہ بفاصلۂ ہفت کروہے بلدۂ خجستہ بنیاد است باستقلالِ تمام سرانجام دادہ، چونکہ در عہدِ آصفجاہِ ثانی غزل یافت بہ تقریبِ بحالیِ خدمتِ مذکور بہ فرخندہ بنیاد رسیدہ درجناب نواب صمصام الملک بہادر صارم بتداشفاقہ، می گذارند۔ بنا برِ ملاقاتِ ہرروزگی کہ در دربارِ نوابِ موصوف دست می دہد بافقیر اتحادِ دلی بہم رسانده۔ در علمِ عربی بہرہ اندوختہ و در فارسی نیز دستے دارد۔ مردلیست خوش خُلق، گشادہ رُو، بدیہہ گو، مضمون رس، سخن شناس وایں تذکرہ نیز از گفتۂ اوصورتِ آغاز وکیفیتِ انجام پذیرفت، بلکہ بعضے مسودات کہ از زبانِ خامہ بگوشِ قرطاس مسموع می شد بر جزو علحدہ صاف می نگاشت، حق تعالیٰ آں مرد را جزائے خیر دہاد۔ ایں چند زمرد پارہ از معدنِ طبعِ اوست۔

تنِ شیریں پہ چسپاں جس نے دیکھا ہی ترے جوڑا
اسی دم کوہکن ساں تیشۂ حسرت سے سر پھوڑا

کناری زُلف کے نزدیک کیا بل کھلکے گرتی ہے
کہ کالے ناگ نے گویا اُلٹ کر کیچلی چھوڑا

گذر گئی عمر سب خوش قامتوں کی ٹھوکریں کھاتے
ہمارا سر بھی سا آلم ہے گویا اس باٹ کا روڑا

کوئی اگر چاک جگر کوئی لہو گھوٹا نکلا
جو سرِ خاک سے میرے گُل ولوٹا نکلا

سُرخ رو کیونکہ بَرو بار سے ہوئے شمشاد
راستی ہیں جو تیرے سامنے جھوٹا نکلا

یاد ہی زلفِ شکن دار کی کِس کی سا آلم
جو دم سرد تیرے سینہ سے لوٹا نکلا

میں نے دِل اب تو ترے ہاتھ دِیا یا قسمت
کام جو مجھ سے نہ ہونا تھا ہُوا یا قِسمت

کوئی دن خوب سی ہم نے بھی مچالیں دھومیں
اب وہ ہم ہی ہیں نہ وہ دِل ہی رہا یا قِسمت

ایک تھا مجھ طرف آنے کو تجھے عذرِ حیا
تِس پر اب پاؤں کو باندھی ہی حِنا یا قسمت

جس طرح کھیت کو شاداب رکھے ہی شبنم
سبز ہی حُسن تیرا یوں عرقِ شرم کے سات

سو تواں جوڑا قیامت ہے یہ تیرے بر میں آج
سج بنا نا خونِ عاشق سے کہاں کا ہے رواج

خاک میری مت بیاباں سے اُڑا اے گرد باد
ان غزالوں کے مجھے پھر نقشِ پا آویں گے یاد

باغباں ہم سے چلے سر پہ تیرے پتھر کے زخم
باغ میں آتے ہی طالع نے ہمارے گُل کیا

خوب رویوں کو نہیں پردے میں ہرگز اعتبار
دُرِ صدف کی قید سے نکلے پہ پاتا ہے وقار

دیکھیے آتا ہے قاتل کس طرف خنجر بکف
ایک میں ہوں سو تو آپی لے رہا ہوں سر بکف
کس بُتِ طامع سے اے خورشید سودا ہے تجھے
ہر سحر دیکھا تو آتا ہے لیے تو زر بکف

مجھے تو نے عبث کیوں نیم بسمل کر دیا قاتل
نہ جیتا ہوں نہ پورا مر چکا یہ کیا کیا قاتل
بچے کس طرح سے جو وسمۂ ابرو کا ہو مارا
کہیں بھی تیغ زہر آلود کا زخمی جیا قاتل

بگولا کب ہے وہ یعنی جو گرد آلودہ اُٹھتا ہے
مزارِ قیس سے صحرا میں رہ رہ دود اُٹھتا ہے

مرا سر شک ہے مینائے کاغذی کی شکل
کہ آتش کی ہوا سے شتاب پھوٹے ہے

دیکھی نہ وفا ہم نے تو واللہ کسو کی
پھر دِل کو کِس امید پہ ہو چاہ کسو کی

موئے کے بعد مصاحب بنا ہے سنگ مزار
بزیرِ خاک بھی ہم سے جنوں کی خو نہ گئی
حجاب دخترِ رز کو تجھی سے نیں زاہد
جہاں گئی ہے تو بے پردہ سبو نہ گئی

باغ میں دیکھ لیا سرو سمن اور ہی ہے
ہم نے جو دِید کیا ہے وہ چمن اور ہی ہے
لعل و یاقوت ترے لب کو نہ پہونچیں ہرگز
اس میں سنتا ہوں تو کچھ لطفِ سخن اور ہی ہے
عشوہ و ناز ترا ہوش رُبا ہے لیکن
صید دِل جس سے کرے ہے سو وہ فن اور ہی ہے
عِطر و عنبر کو کس انصاف سے دیجے تشبیہہ
بُو تری زلف کی اے رشکِ ختن اور ہی ہے
خان و ماں سے مجھے اب کام نہیں ہے ساکم
گھر دِوانے کا کہیں ہوے وطن اور ہی ہے

گوارا ہو سکے دِل پر اگر مجھ سے خدا روٹھے
ولیکن کیا قیامت ہے جو تجھ سا دل رُبا روٹھے
کبھی نظریں چُرا کر مسکرانا کچھ نگہہ کرنا
غرض کیا لطف ہے جب آشنا سے آشنا روٹھے
نہ کھینچا سر کبھی تیغِ جفائے یار سے ساکم
مرے بھی کوئی تو ایسے نازنیں قاتل سے کیا روٹھے

اِک جان ہے سو اب تک تجھ بن ترس رہی ہے
پھر پوچھتا ہے پیارے کیا کیا ہوس رہی ہے
میں کب ہوں میکشی میں محتاجِ ابرِ باراں
میری ہی چشمِ تر سے بھادوں برس رہی ہے

ہمارے قتل کا اثبات تجھ پر کیونکہ ہو قاتل — حنا شاہد تھی سو اب وہ اوڑی جاتی ہے ہاتوں سے

کفِ پا تک نہیں ہے بار جنکو سو یہ عاشق ہیں — جو سر پر بیٹھتے ہیں میرزا ہیں بلکہ بے پروا

بات کہتے ہو پھر اوڑاتے ہو — تانکا جان ہم نے بوجھ لیے

سر نے جب اوس کا میں سینے سے لگایا تو کہا
بس اب افشاں میرے ماتھے کی جھڑی جاتی ہے

دیکھ لیویں گے کبھی ہم بھی تمہیں خوب طرح
کہیں آخر تو رل ہی جاوٗ گے باٹے گھاٹے

نالہ خاطرِ خواہ گر کیجیے تو ایسا دم نہیں — بات کہہ کر دل کو بہلاویں تو کوئی محرم نہیں

کس طرح عشق ترا کوئی نہ سمجھے سالم — چشمِ گریاں دلِ غمگیں کا نشاں ہے تُجھ

عطرداں دیکھ ترا کیوں نہ ہو دل کو حیرت
چار کونے کا یہی چاند نظر آیا ہے

زیب دیتا ہے زری جوڑا سنہری رنگ پر — شعلہ رویوں سے مناسب ہو رکھے کرتاس را؟
اوس حنائی دست پر دیکھا ہوں سالم دست بند — کر لیا ہے پنجۂ مرجاں سے کیا الماس راہ

تو جب کہ میرے ہات سے دامن چھڑا چلے
تب میں جو تیرے پانوٗں پکڑ لوں تو کیا چلے

صیاد بلبلوں کے قفس کو نہ کر غلاف
گُل کے جلے ہووں پہ کبھی تو ہوا چلے

ارمان دِل کا دِل میں رہے یو ہیں کب تلک
اے بیوفا کبھی تو مرا بھی کہا چلے

سالم ہی اشکِ سرخ سے دامن مرا چمن
بس اب گلوں کی سیر کو کس کی بلا چلے

گیا تو ناز سے پر دِل میں وو تیری لٹک رہ گئی
برنگِ گُل تو جس کے پاس سے گذرا مہک رہ گئی

وہ کیا حسنِ جہاں افروز ہوگا شعلہ رُویوں کا
صفا میں آئینہ کے جن کی صورت کی چمک رہ گئی

کہاں دل سے نکلتا ہی خیال اوس کی کناری کا
مرے خاطِر میں یعنی جس کے دامن کی دھنک رہ گئی

گرے ہی آستیں سے جھن کے آنسو خاک میں سالم
عجب موتی ہی پھوٹے پر بھی جس کی یہ ڈھلک رہ گئی

جی وہے بات کے کہتے ہی وفا ایسی ہو
ہم نے یہ کی ہی میاں اور سے کیا ایسی ہو

ہو سکے کب ترے قامت کے مقابل شمشاد
راستی ہی کہ کہاں اوس میں ادا ایسی ہو

ایک دم میں ہی کھلیں چاہیئے سو غنچۂ دل
اے نسیمِ سحری ہو تو ہوا ایسی ہو

(حرف ش)

شہید

قفلِ سخن را کلید مولوی محمد باقر شہید۔ تولدش در گجرات واز مدت مسکن وماوا در خجستہ بُنیاد اورنگ آباد ورزیدہ بتوکل توغل داشت۔ مرد صاحب کمال، صوفی مشرب وصافی مذہب بود، اکثر اعزہ از ذاتِ تقدس صفاتش بہرہ برمیداشتند وراہِ بطالت گذاشتہ جادۂ ہدایت می پیمودند۔ از چندے شہید تیغِ اجل گردید و جادر سرائے خاموشاں گزید۔ ازوست۔

بہارِ درد کو اس غنچۂ دل میں تو مخفی رکھ
نہ کر پھر گل خرابی چہرۂ رازِ نہاں میرا

شہید اوراقِ ہستی جمع کر جوں بیڑۂ پاں تو
یہ رنگیں بھیس سے شاید کہ لعلِ یار کو پہنچے

تو قانونِ عمل کا تارِ مت توڑ
کمر طاعت سے خم کر چنگ ہوجا
شہید اس نفس کافر کیش کو مار
حقیقت کا مظفر جنگ ہوجا

(حرف ض)

ضیا

ضیا برہانپوری سلمہ اللہ تعالےٰ، میرزا عطا نام دارد، اصلش از گروہ برلاس

است وجدِّ مادریِ او میر برہان اللہ از سادات حسینی، مولد و منشأئے او قصبۂ بودر کہ بست کروہے برہان پور جانب اورنگ آباد واقع شدہ۔ ولادتِ او ہفتم شوال سنہ ثلاث واربعین ومائۃ والف روداد۔ چوں بسنِ شعور رسید از بودر بہ برہان پور رفتہ رنگِ توطن ریخت واز بعضے اساتذہ باکتسابِ فنونِ فارسی پرداخت وچوں شاہ سراج الدین اورنگ آبادی وارد برہانپور شد اصلاحِ شعرِ ریختہ ازو گرفت ودر اورنگ آباد آمدہ بخدمتِ حضرتِ آزاد مغفور فایز شد ومشقِ شعرِ فارسی را بجائے رساند کہ از کلامش پیدا ست وبہ یمنِ تربیتِ والا از زمرۂ اقران ممتاز برآمد، چنانچہ می گوید۔

شیخ گفتا کہ صاحبِ ارشادِ منم علامہ گفت شہرا استاد منم
من گفتم ایں کہ ہرچہ خواہید شوید اما بخدا بندۂ آزاد منم

ونیز مثنوی در مدحِ والا اسم کردہ، ایں ابیات ازان است۔

حضرتِ آزاد کہ استادِ ماست قبلۂ جان ودلِ منقادِ ماست
بادۂ عرفاں زدہ ہشیار مست بعد نبی ہرچہ کہ گوئیم ہست
ہست سیادت چمنِ بیخزاں او بود الحق گلِ ایں گلستاں
نامش اگر ہست غلامِ علی اوست شہِ ملکِ خفی وجلی
مطلعِ آں مہر بود بلگرام پرتوِ او باد چراغِ دوام
مشتہر خلق باستادی است نام زدِ رتبۂ آزادی است
در رہِ علم آمدہ او را دلیل تربیتِ حضرتِ عبدالجلیل
گر بشماریم کلیمش رواست مرتبہ اش ید بیضا گواست
واقفِ اسرارِ زباندانی است انوری وصائب وخاقانی است
شعرِ ترش کلفتِ دل را دواست ہست سخن نامیِ راحت فزاست

نیست رقم کردہ آں مقتدا — چوں خطِ تقدیر بجک آشنا
ہر کہ از و درسِ بلاغت نخواند — بے خبر از عالمِ تحقیق ماند
ہر کہ بحالش نظرِ او شود — بہ ز فلاطون وارسطو شود
مرتبہ اش فوق تر از شاعری — بہرِ تفنّن بود ایں ساحری
ہست بمعمورۂ علم و عمل — حضرتِ آزاد امیرِ اجل
صرفِ ریاضت بود اوقاتِ او — موعظۂ محض حکایاتِ او
بہرِ حصولِ غرضِ خاص و عام — ہست زبانش متحرک دوام
ہمّتِ عالیش سحاب است و بس — رشحہ فشاں بر گل و بر خار و خس
فیض رسانی عملِ خاصِ او — جملہ جہاں بندۂ اخلاصِ او
بس کہ بامداد کمر بستہ است — خانۂ او مامنِ ہر خستہ است
علم و عمل خادمِ دربارِ او — فیض و کرم بندۂ سرکارِ او
بے ادبی را بدرش بار نیست — محفلش آمادۂ اغیار نیست
مرحمتش مرہمِ ہر ریش باد — لیک بر احوالِ ضیا بیش باد

مرزا ضیا دریں ایام با میر حامد یار خاں مخاطب بہ ارسلان جنگ برادرِ اعیانی میر موسےٰ خاں مخاطب برکن الدولہ بہادر اورنگ آبادی وکیلِ مطلقِ نواب آصفجاہِ ثانی دام اقبالہ خدیوِ دکن بسر می برد و با مولف بنا بر خواجہ تاشی یعنی تلمذ از یک استاد ارتباطِ فراواں دارد صاحبِ دیوان است۔ و چوں ہنوز بچہل سالگی رسیدہ و اُمیدِ عمرِ طبعی دارد انشاء اللہ تعالےٰ۔ معانی بسیار از طبعِ وقّادِ او سر میزند ایں چراغاں بترتیب افروختۂ ضیاست۔

کیا میں فرض کہ تم کو مرے سے کام نہ تھا
پہ اس طرح کی کچھ آزردگی میں نام نہ تھا

جو کرنا نہیں سو تو کرتا ہے ناصح — پھر اپنی جگہ پاک کا پاک ہو گا
پگل جائے ہے ہر کسی کے کہے پر — وو گلرُو عجب موم کی ناک ہو گا

نہیں آرزوئے شرابا طہورا — ہمیں بس ہے یہ آنسو ونکا طہورا
رقیب اوس سے کرتا ہے سرگوشیاں جا — بہت موہنہ کو لاگا ہے یہ کن کھجورا
ہے غنچہ ہی کی مشت میں حواجۂ زر — پھر ایسا نہیں گا نٹھہ کا کوئی پورا

اُٹھا دے اب تو اے ساقی تقید بے حجابی کا
کہ کیا ضبطِ سخن سے پیٹ پھولا ہے گلابی کا

مجھ پر جو نپٹ ہی جور ہو گا — مشفق یہ کہاں کا طور ہو گا
ہے مہ بھی تو اپنی جائے پر خوب — پر وہ جھلکا کچھ اور ہو گا
معدوم ہوئی ہے آشنائی — یہ بھی ایک طرفہ دور ہو گا

تمہیں جو دل میں مرے سے غبار رکھنا تھا
تو ابتلک عبث اُمیدوار رکھنا تھا
اگرچہ ہوگا نہ دشنام لطف سے خالی
پر اس غلام کا کچھ تو وقار رکھنا تھا

جو تم کو موہنہ سے کبھی اوس نے باوفا نہ کہا
میاں غضب نہ ہوا کچھ بھلا بُرا نہ کہا

سُنا جسے سو وہ گستاخ ہے تمہارے سے
یہ ایک غلام نہ ہووے کہ کچھ پھر انہ کہا

روٹھے ہو کیوں مرے سے تجھے میں نے کیا کہا
اتنا گناہ گار تو ہوں گا جو آ کہا
کیا بات ہو کہ جس کو رکھے دل میں گانٹھ باندھ
گر بے وفا کہا تو کہا کیا بُرا کہا
سن سن کے زاریوں کو مری موہنہ پر ہات پھیر
سمجھوں ہوں ایک دن میں ترے سے بھلا کہا
تب میں دیا جواب کہ آج ہی او مہربان
چل جائیں دو دو نیم چہ مانو مرا کہا
بھر لا کے آنسو آنکھ میں مجکو لپیٹ گیا
کہنے لگا کہ تجھ سے جو میں نے ضیا کہا
کچھ زہر تو نہ تھا کہ ہوا تجکو ناگوار
جا۔ جس کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر کچھ کہا کہا

کہو تو غیر سے تم مطلبِ نہاں کی بات　　نہیں سو ہم سے کہو بارے یہ کہاں کی بات

مایل دماغ اوس کا ہے بس کہ عذر کیں پر　　او ترا ہے چشم بد دور اب آسماں زمیں پر
ہم دست ہوجا سے اور آئینہ سے ہم دم　　ایک اینٹھنا اکڑنا جو کچھ ہے سو ہمیں پر
ایک روز میں ضیا کو دیکھا کہیں سو ناگہ　　میری نظر پڑی جا اوس کی جبیں کی چیں پر

تب میں کہا کہ صاحب کیوں ہیں گرفتہ خاطر　　موسم بہار کا ہی فرحت ہی آفریں پر
کہنے لگا کہ لازم مجکو ہوا جو بولوں　　اس شرط سے گر آوے باور ترے یقیں پر
ساعت بھی ہوئی نہو گی اس ماجرا کو گذرے　　سیر چمن کا سودا آیا دلِ حزیں پر
کیا دیکھوں بلبلوں کو صیاد کی جفا سے　　کئیں آشیاں پڑے ہیں اور سر کہیں کہیں پر

دیکھے نہیں ہیں ہم نے کسی دلربا کے بیچ　　واللہ یہ تکبر و یہ ناز یہ غرور

تم سے بعید ہی مرے لوہو کو چھوڑ کر　　آگے حنا کے ہات پسارو ہزار حیف
خسرو کی زندگی ہو مرے کو یکن سا شخص　　انصاف کچھ رہا نہیں یارو ہزار حیف

اگر خیال میں گذرا ہی امتحاں جو حکم
ہمیں تو کچھ نہیں انکار مہرباں جو حکم

ایک دن چاہا کہ دل کے رفع کرنے کو ملال　　دیکھیے گلزار اور کیجیے علاج درد و غم
باغ میں پہنچا سو گل کو دیکھ دل پرخوں ہوا　　اور بلبل کی صدا سن کر اوٹھا شور ایک دم
سن کے یہ ہنگامہ مالی نے ہوا مانع کہ آپ　　ہے ابھی بہتر سدھاریں اور کریں فریاد کم
تب مجھے یہ فارسی کی بیت یاد آگئی ضیا　　سامنے اوس کے پڑھا اور رو کے میں چلے قدم
نیستم گلچیں بردیم در مبند اے باغباں　　می نشینم گوشۂ کاواز بلبل بشنوم

ای قاصد اوس یار بیوفا کو میری طرف سے سلام کہناں
سلام کہنے گے بعد میرا ادب سے آہستہ نام کہناں

تواضع تو نپٹ کرتے ہو سب سیں — ہوئے تم مہرباں اللہ کب سیں
مریں جوں شمع رو رو ہم ترے بن — اگر گذرے زمانہ ایک شب سیں
ضیا میں ایک دن سیرِ چمن کو — گیا خوشو قیتوں سے او رطرب سیں
تو کیا دیکھوں کہ گل کی بارگہ میں — نپٹ گلبانگ ہے شور و شغب سیں
اِدھر مالی کا شور اودھر سے بلبل — پکارے ہے تفاوت اور ادب سیں

ہمیں جو پوچھو تو محو ظہورِ خالق ہیں — کوئی ہو صوفی کوئی شیخ یار عاشق ہیں
کسو زمانے میں یہ رسم تھی پر اب وو کہاں — کہ دور چلتے ہیں اور صحبتیں موافق ہیں
یہ وقت اب ہے کہ جوں زلف ہیں پریشاں سب — خفا ہیں عمر سے اور شاکیِ لواحق ہیں
سوائے یار کے صورت سے دخترِ رز کی — جو کوئی خوش ہو تو ہوئے یہ یار تو دق ہیں

اہلِ جنت کا جو کچھ رتبہ ہے اوس سے کم تو ہیں
پر ٹک ایک انصاف کر واعظ بنی آدم تو ہیں
آزمانا تیغِ ابرو کا اگر مرکوز ہے
فکر اتنی کیا ہے بسم اللہ ظالم ہم تو ہیں

نپٹ کرتا تھا لاف آئینہ اپنی استقامت میں
بہی پھرتی ہے کا نچہ اوس کی جو اب ڈوبا ہے حیرت میں
جلاتی ہے جو دل اپنے کو پروانے کی غربت پر
خدا پونچا ئے تیرے تئیں گھڑی اے شمع جنت میں

جو کوئی کہ حال پہ میرے نگاہ کرتے ہیں — بتوں کے نام کو سن واہ واہ کرتے ہیں
نہ دودِ آہ کا پوچھو سبب کہ ہم ہر طرح — غمِ فراق کے مونہہ کو سیاہ کرتے ہیں
یہ مغبچوں نے جو مونڈے ہیں مو کو شیشہ میں — ہمارے عیش کی کیا دیکھیں راہ کرتے ہیں

ای ساقی مفت کھوتا ہی مزہ حیلہ حوالے میں
ڈوبا دے عقل کی کشتی کے تئیں ایک ہی پیالے میں

ڈاڑہی بڑھانے میں ہی بزرگی کا نام نئیں
رندوں کے آگے پشم برابر بھی کام نئیں

ہم اوس کو دیکھکر حاصل نشاطِ عید کرتے ہیں
جو دیکھائیں کسو نے یارو دو کچھ دید کرتے ہیں
رقیبوں ساتھ جو مذکور تھا کل سن چکے ہمنے
تکلف بر طرف صاحب عبث تمہید کرتے ہیں
الٰہی کونسا خونیں جگر دیوانہ ہووے گا
گریباں پھاڑنے کی جس کی گل تقلید کرتے ہیں

کب تک ڈر ڈر کے چپ رہوں میں — انصاف ہے سب ہوں اور نہ ہوں میں
نالائقِ التفات و الطاف — میں ہی ہوں تمہیں تو کیا کہوں میں

چھوڑ دے دل کے مرے ظالم ستانے کے تئیں — چھیڑ مت اللہ کی سوں اس دوانے کے تئیں

دل تو سو جا گہ سے ٹکڑے ہو گیا غنچہ کی طرح   آگ لگ جاوے تمہارے پان کھانے کے تئیں

دکھلایا مجھے زلف دوبگڑو نے ادا سیں
یعنی کہ اگر تو ہے پریشاں تو بلا سیں
ایک زلف تیری کھائے ہے ہم پر ہی پیٹا بل
پر حیف کہ کچھ چل نہیں سکتا ہے صبا سیں
جب شیخ مجھے پوچھے ہے کہتا ہوں جنوں ہیں
واللہ کہ تخفیف ہے حضرت کی دعا سیں

اے دل کیا خوب جو کچھ کیا تو
یوں چاہیے واہ عاشق .بی گبرو
اللہ باقی من کل فانی
کس کام کا ہیں کس کام کا تو
دل تو لیے ہیں صاحب ضیا سیں
مارو گے پھر کیا جی سیں کسی کو

نہ دل سے دھو سکا آنسو نے ہرگز داغ کاری کو
کہ پانی سے نہیں نقصان کچھ رنگِ قراری کو
میں دل کو نذر کرتا ہوں تری آنکھوں کے ای پیارے
کہ یہ لڑکا نہایت خوب ہے بیمار داری کو
نصیحت سے اگر یہ ہے غرض جو یار کو چھوڑوں
میاں صاحب رکھو چھپڑ پہ ایسی غم گساری کو

یہ نہیں کہ پھر تو کیا پیتے ہو جانی سچ کہو   اس سخن میں اب بھی کچھ مرتا ہے پانی سچ کہو

گو کہ میں الطاف کے قابل نہیں قطعِ نظر
پر کسی پر بھی کیے ہو مہربانی سچ کہو

تم نے جو تشریف ارزانی نہ فرمائی کہو
کیوں ہمارے ساتھ ہے اتنی گرانی سچ کہو

غائبانہ جو مروت نہ رکھو تو نہ رکھو
میہماں پر ٹک ایک آنکھوں کا حجاب البتہ

گو تو قاصد مری خاطر سے نہ کہوے تو نہ کہہ
پر کیا ہوگا میرے خط پر عتاب البتہ

ایک دن آگیا کچھ جی میں سو پوچھا مجھ سے
کہ ضیا ہیگا کسو کا تو خراب البتہ

تب کہا میں کہ مرا حال تمھیں روشن ہے
اور تو کوئی نہیں پر یہ جناب البتہ

نہ توڑ دل کو مرے اس نگیں کا کام تو دیکھ
مجھے کچھ اوس سے غرض نیں پر اپنا نام تو دیکھ

کسو کو نیم نگاہی سے کیا تسلّی ہو
اگر نگاہ کرے ہے ذرا تمام تو دیکھ

اوٹھے نہ آنکھ ہلاوے نہ کوئی لب اللہ
ہے جان دینا تو آسان پہ اوب اللہ

ہزار بار مرے پر نظر کیے ہوگے
ہنوز کہتے ہو دیکھا ہوں تجکو کب اللہ

اے بتو تمہارے پر دل ہوا مرا گمراہ
لا الٰہ الا اللہ محمدؐ الرسول اللہ

دِل ترا لگتا نہیں کیا بن لڑے — مت پکڑ میری زباں اوپر دڑے
کیا مرے رونے پہ کرتا ہے خوشی — اے ترے ہنسنے اوپر بجلی پڑے

کچھ جھوٹ نہیں ہے اِس میں پیارے
وو ہی فِدوی ہیں ہم تمہارے

رونا تو خوب تر ہے پر اوس پر ہو آہ بھی
لازم ہے ساتھ مینھہ کے ابر سیاہ بھی
اتنا ٹھمک ٹھمک کے جو اُٹھتے ہو خیر ہے
لائق ہیں ہم تو قتل کے پر کچھ گناہ بھی

گر چشم فِتنہ گر کو تغافل سے زیب ہے — پر اے میاں کبھی تو کریں گے نگاہ بھی

کیا کسی کے حال پر اہلِ جہاں کا دِل جلے
شمع کا سر کاٹ لیتے ہیں زباں جب تک ہلے
خود نما کا سر نِگوں ہے خاک ساروں کے حضور
عکس پانی میں پڑے ہو پاؤں اوپر سر تلے
گر بتوں کا میں کروں شکوہ تو کافر ہوں ضیا
دل ہی جب ہو جائے دشمن تب کسیکا کیا چلے
کھولاؤ مت مرا مُنہ بیٹھو ان باتوں کا کیا لوگے
نپٹ ہنستے تو ہو اے جان پر دیکھو کہیں رو گے

سنو ٹک کھول اپنے کان بلبل کے صفیروں کو
اُٹھو یا حضرتِ دِل خواب سے اب کب تلک سوگے
جو تم اس وقت اپنے میں نظر آتے نہیں صاحب
اگر دِل کی تمہارے بات تبلادیں تو کیا دوگے

ہے عجب یہ کہ پسند آپ کو بیداد آوے
دو بھی کچھ کام کہ جس کام کی فریاد آوے

نیں فرق گُل و یار میں جو یہ ہے سو وہ ہی
مُمتاز سب اطوار میں جو یہ ہی سو وہ ہی
گر ہے ہوَسِ لعل تمہیں دل کو مرے لو
کچھ فائدہ انکار میں جو یہ ہی سو وہ ہی
کس واسطے میں رعد و ضیا کو نہ کہوں ایک
واللہ کہ للکار میں جو یہ ہی سو وہ ہی

قاصد اگر تیرے سیتی پوچھے وو سنگدل
احوال کچھ مِرا جو تماشت کرے ہوئے
کہیو کہ میں تو آیا تھا چھوڑے ضیا کے تئیں
محوِ فغاں اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
جیتا رہا ہے آج تلک یا وو مر گیا
معلوم اب نہیں خبر اس کی ورے ہوئے

کہا گیا ہے کسو دشمن نے ایسا باب میں میرے
نہ کرتے ہو کرم مجھ پر نہ آتے ہو مرے ڈیرے

رقیبوں سے نہایت گرم جوشی مجھ سے بے روئی
مگر دشمن ترا اک میں ہوں اور سب دوستاں تیرے

ضیا کے چوٹ لاگی ہے سنانِ عشق کی دل کو
ارے رے رے ارے رے رے ارے رے رے ارے

خاطر یہ اگر اوس کی خیالِ دِگر آوے ہے حق کی قسم پھر جو یہ فدوی نظر آوے

منظور اس ایام میں جو کم نگہی ہے شاید کسو بدخواہ نے کچھ بات کہی ہے
جو دل کو کسی کے کریں ایک بوسہ میں خوشنود خوبوں میں کب اس بات کی توفیق رہی ہے

جو دِل سے مرے زخم کو دیکھے سو کہے ہے
یہ زور کسی شخص کی تروار ہے ہے

سینہ پر داغ دیکھو سیر اگر مقصود ہے
آئینہ چاہو تو بسم اللہ دِل موجود ہے

ایک میرا ہی نہ کچھ ہوش نکل جاتا ہے دیکھ شیشہ کے تئیں جام بھی چل جاتا ہے

دِلِ وحشی کو میرے منہ رن گرگھیر لینا تھا یہ کتنا کام تھا ایک پل کا آنکھیں پھیر لینا تھا

آج ہی سب کچھ جفا سے اسے نکیں لب کام لے اُس کا منہہ کالا ہو جو کل پھیر تیرا نام لے

ایسی مہندی بھری اونگلی سیتی مت دے چٹکی
اے تیرے ہات کو از غیب کے لگیو لکٹی

کیا عجب گر مری آنکھوں میں اندھیری آوے
یہ وو صورت ہے جو آئینہ کو گھیری آوے

اثر اس دیدۂ گریاں کو میرے کیئں بھی جس دیوے
خدا وو دِن کرے جو وہ میرے رونے پہ ہنس دیوے

نہ تنہا پانوں پڑتی ہے حنا کے رنگ کی لالی
ہوئی ہے حلقہ در گوشِ محبّت کان کی بالی

گُلابی سینٹت مت ساقی کہ سارا کام بہ جاوے
پیالہ تشنگی سے می کی موںہہ کو کھول رہ جاوے

کچھ رحم نہ ہووے جس بنی آدم کو
گر لعل ہو جھنگا ہے بہاے کم کو
ایسا جو ہمک ہک کے اوٹھتے ہو گے
کیا تم نے میاں غریب پاے ہم کو

تم کو تو وہی ہے ڈھب جو دینا گالی
کوئی کیونکہ کرے غبارِ دل کا خالی
اتنے ہی میں تم نے رنگ بدلے اللہ
نیلے پیلے ہو بات موںہہ پر لالی

مالی سے کہا چمن میں گل نے جانی   شبنم ہے کہاں کہ کوئی نہیں اوس کا ثانی
مالی نے دیا جواب جیویں حضرت   مدت سے اوٹھا ہے اوس کا دانہ پانی

ہے عشق کے ہات میں حکومت کتّی   کرتا ہے نپٹ عمل یہ ہر کھلی ٹٹی
رکھ حسن سے بعد خط کے بوسہ کی طلب   کرتا ہی گا وصول یالا پٹی

دیکھا اِک شوخ میں نہایت دِل جو
خوش قد جوں سرو اور...میں گبرو
گر حور کہوں اوس کو تو کیا حور کو رو
اللہ اللہ کس بلا کا جادو

پیاری ہے شکر لبوں کی مستی جیسی
موںھہ لگ کے کہے ہے بات خاطر کی سی
بات آگئی اور حنا بھی آخر اون کے
ہر چند تھی اپنی جا سے کی پکّی پیسی

اے شوخ تو کیا سمجھے ہے اب دل کو ہمارے
واللہ جو مر جائے کبھو آہ نہ مارے
وو شخص جو مینا میں بھرے می کو بن اوس کے
جب جانے پری کو کوئی شیشہ میں اوتارے
ایک دل بھی مرے حال پہ افسوس نہ کھایا
صدقے تری اُلفت کے تری چاہ کے وارے

عرضِ احوال اوس سے جب کیجے تو کہوے ہی بناز
مست پھر او مغز میرا جاوجی یہ کچھ بھی ہی

جو اشک آنکھوں سے لوہو بھرے نکالا ہووے
وو جب جیسے جو حق اوس کا بچانے والا ہووے
یہی دعا ہے کہ اے سرو قد جہاں تو ہے
خدا کرے کہ وہاں تیرا بول بالا ہووے
وو ہووے دِل کے مرے کھٹکنوں سے کچھ واقف
بغل میں دشمنِ جانی کو جس نے پالا ہووے
کہیے صاف ٹک انصاف سے خدا کی قسم
کبھو جو آپ کے تئیں نے سکھے کوٹالا ہووے

کیا جو دِل نے میرے ساتھ کاوش | کرے ہرگز نہ کوئی ناخلف بھی
کِدھر ہے فوجِ گُل اے باغباں حیف | اولٹ گئی کیا ذرا میں صف کی صف بھی

جُدا خدمت سیتی اے مہرباں گر ہم بظاہر تھے
پہ جیدھر دیکھتے تھے آنکھ اوٹھا کر آپ حاضر تھے
غنیمت بوجھ دل کے ہاتھ میں رہنے کو اے ناصح
کِسو وقت اس طرح سے ہم بھی اپنے دِل پہ قادر تھے
تکلّف برطرف ایسے جو ہمدم ہو رقیبوں سے
کرم فرما نگہ ہم آپ ہی کے بارِ خاطر تھے

ہے جس کو گرمیِ الفت کی تب بچے نہ بچے
ہے زندگی کی طلب اوس کو کب بچے نہ بچے
اے نامہ بر مرا احوال گر تجھے پوچھے
کہیجو صاف کہ تھا جاں بلب بچے نہ بچے
پھنسا ہے زلف میں اوس کی ضیا دلِ رنجور
ہے اس مریض پہ بھاری یہ شب بچے نہ بچے

مجھے گماں تھا کہ خوبوں میں دل ربائی ہے
پر آزما کے جو دیکھا تو سب ادائی ہے
کہا میں ایک دن اوس شوخ بے وفا کے ساتھہ
سبب ہے کیا کہ ہنوز اس قدر جدائی ہے
دیا جواب ٹک اپنی زباں سنبھال کے بول
یہ کون بات ہے اور اس میں کیا بھلائی ہے
مگر سنا نہیں تو نے ضیا کہیں یہ مثل
کہ اختلاط زیادہ برآشنائی ہے

دل مرا مجھ پاس کب رہتا ہے ایک بدذات ہے
یا کسی کے ساتھہ ہوگا یا کسی کے ہات ہے
ہر طرح اے صاحبِ من دن تو جاتا ہے گذر
پر شروعِ شام سے یہ بندہ ہے اور رات ہے

مرے سے پوچھے ہے جب وو تو رام کس کا ہی
کہوں ہوں اوس سے کہ دل دار نام کس کا ہی
وو خط کو پڑہ کے جو پوچھے ترے سے اے قاصد
کہ ہے یہ کس کا خط اور یہ سلام کس کا ہی
کہیو خط تو ضیا کا ہے پر نہیں معلوم
وو خانہ زاد ہے کس کا غلام کس کا ہی

ہے جہاں عشق واں کمی کیا ہی
دل کی کیا مالیت ہے جی کیا ہی
اے مہ اپنے کو دیکھ اور اوس کو
ہات کنگن کو آرسی کیا ہی
کھول بلبل سے دل کو غنچۂ گل
اوس نے تیری گرہ کالی کیا ہی

عاجز

یکہ تازِ عرصۂ دقیقہ شناسی، سرافرازِ معرکۂ یکہ تازی، دقایقِ سخن را فایز عارف الدین خاں عاجز۔ بر جمیع علوم کسبی و وہبی قادر بود و تمامی فنونِ شریفہ را ماہر، در ۱۱۷۸ھ در گذشت و نظارہ گرِ حور و غلمانِ بہشت گشت۔ نقل می

کنند کہ در سنہ یک ہزار و یک صد و ہفتاد و پنج بعارضۂ سخت بستر آرائے بیماری گردید و از غلبۂ اشتداد مرض نوبت بحالتِ نزع انجامید و طایرِ روحش بسان مرغِ قفس شکستہ مستعدِ پرواز نمودن و گلِ جانَش چوں ثمرِ درخت بہ پختگی رسیدہ در اندازِ ریختن، از معاینۂ ایں حال تفتیش گردید کہ حالا توقعِ زندگی چوں حنائے بستہ رنگے نخواہد بست و امیدِ درستی چوں شیشۂ شکستہ اصلا بوقوع نخواہد پیوست۔ دراں حالت کہ در حقِ بیمار کمتر از زلزلۂ قیامت تصوّر نتواں نمودہ تاریخ انتقال از مادۂ اسم و تخلّصِ خود کہ عارف الدین خاں عاجز داشت بخاطرِ عبور بحضار و حواشی عرضہ داد۔ چوں بقانونِ ابجد اعداد مذکور بشمار آوردند از مطابقتِ حرف یکی دو سال یافتند۔ فرمود دروغ نباشد کہ از بقیۂ عمر ہمیں دو سال باقی ماندہ باشد و بعدِ رحلت تاریخ من ہماں خواہد شد، چنانچہ بمشاہدہ درآمد کہ از ہماں روز بیماریش رو بہ تنزل آورد۔ و در چندے صحتِ کامل عایدِ حالش گردید و در آغازِ یک ہزار و یکصد و ہفتاد و ہفت ہجری کہ تجویز تاریخ کردہ بود، ازیں خاکدان رختِ سفر بجناں بر بست و بتوصیفِ ساکنانِ فردوس یعنی حور و غلماں در پیوست۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا الیہِ راجعون۔ از وست

دیکھ دامن گیر محشر میں ترے ہوینگے ہم
خوں ہمارا اپنے دامن سے اے قاتل مت چھڑا

اے ناصح عبث کرتا نصیحت ترش رُو ہو کر
کھٹائی کا مجھے پرہیز ہے مت بیچ اچار اپنا

تجھے جلنے سے اور رونے سے میرے کیا ارے مُطرب
بجا کر دیپک اپنا اور الا پا کر ملہارا پنا

پھیر مت پا کی کو خط پر حسن اب بس ہو چکا
کیوں عبث گھستا ہے مُونہہ لوہے سے پارس ہو چکا

مُو سفیدی نے میرا ہوش اوڑایا عاجزؔ
خبرِ مرگ کو لایا ہے یہ کا کا کوّا

ادا سے گر ہماری بزم میں وہ فتنہ ساز آوے
بجا کر مہر کا دف چرخ کھا کھا کر گرے زہرا

کیوں عاشقوں کی تمنّا سے غافل ہو کس نیند بھُولے ہوا ے ماہ رو یو
شوقِ زلیخا کے جذبہ نے دیکھو کس طرح سے یوسف کو کنعاں سے کھینچا

آئی بہار باغ میں پھولے ہیں سب درخت
آلال پل کہ دل ہو ترے غم سے لخت لخت
عاجزؔ ہوں شاہِ ملکِ جنوں میرے واسطے
سورج کلاہ وچتر فلک ہے زمیں ہے تخت

تم بن اب آہ دل میں غم کی لگی ہے کھٹ پٹ
آنکھوں سے اشک پل پل گرتے ہیں لال پٹ پٹ

نوبہار آئی نہیں آیا میرا لال الغیاث
آہ گُل داغوں سے دل پھولے گا اس سال الغیاث

مکتوب میرا اوس شہِ خوباں کے پاؤں لگ
ہُدہُد لیجاوے گا کہ اوسے ہے ازل سے تاج

ہے لال تیرا ذقن باغِ ناز کی کا تُرنج
اوسے جو سیب کہے جان اس کو دینا رنج

چمن میں چل کے سجن بے حجاب ساغر کھینچ
بہارِ رنگِ گلستاں کے سر سے چادر کھینچ

ہے ہمارے بت کا دِل پتّھر کے چیرے کی طرح
کیا کروں اوس کی صفت ہے سخت ہیرے کی طرح
اشک آنکھوں میں مری تجھ بن ارے بیمار چشم
ہیں گے بادام مقشّر کے حریرے کی طرح
دِل مرا اے شوخِ گندم رنگ تیرے ظلم سے
کھا گئے قرصِ داغ ہے کھٹّے خمیرے کی طرح
یوں لکھا وصف اوس شکر لب کا کہ عاجز کلک میں
روشنائی جم گئی مصری کے شیرے کی طرح

تمہارے ذکر سے خونِ جگر سے اے گُل رو
دیا ہے پلکھوں کے بیچوں ہیں لال کی تسبیح

لال میرا رنگ یوں ہے گا تمہارے غم سے زرد
زعفراں اوڑتی ہے جب ہیں جھاڑتا ہوں موہنہ سے گرد
ہر سحر کیا دیکھتے ہو آرسی اے سادہ رو
ہے تمہارے حسن کے دفتر کے دو لوصاف فرد

دور آیا ہے زبوں یا اسد اللہ مدد
دل ہوا ساغرِ خوں یا اسد اللہ مدد

سر اٹھا کر ہم الف بولیں گے اے استاد قد
آہ کی شولی کو یوں دل ہیں کریں ایجاد تد

نو بہار آنے سے گل آیا ہے اے صیاد یاد
اب کریگا کیوں اسیروں کا دلِ ناشاد شاد
گردن اپنی کرکے خم آیا ہوں اے قاتل شتاب
سر اٹھا کر آج بارِ خنجرِ فولاد لاد

ہے شہد کہاں شیرۂ الفت سے تلذذ
ہے قند کہاں وصل کے شربت سے تلذذ

آجان دیکھ مجھ کو قرباں ہوں کس کی خاطر
مانندِ چشمِ بسمل حیراں ہوں کس کی خاطر

نوبہار آئی ہمارا گلشن آرا ہے کدھر
بھیج کہو اے عندلیبو وہ سدھارا ہی کدھر
سر ہمارا توڑنے وو سنگ دل آیا ہے آج
مر مرا اب کیدھر ہے یارو سنگِ خارا ہے کِدھر

بہار آنے سے شبنم نے کیا ہے گُل کا بستر تر
چمن میں چل کر اس کو فرش اے خورشید پیکر کر
ہُوا ہوں جان یُوں دِل سو تیری دیکھ بے مہری
بنے کافور کا دانہ رکھوں سینے پہ اخگر گر
لکھا ہُوں اے کبوتر نامہ اوس بلقیسِ ثانی کو
ترے پر پہ نہ باندھوں اب ہُد ہُد کے شہپر پر

ہنر مندوں کا لشکر گر اکٹھا ہو طبیعت سے
سخن کے نور سے ہر بات میں ہوں سخنور ور
سمندر آگ کا شعلہ ہو جیوں پروانہ جل جاوے
گر اپنی آہِ سوزِ دِل کو پھونکوں اوس کے شہپر پر
ہوا لاجنب تب سے خانۂ دل کا ستوں جگ میں
اُکھاڑے جب سے ماجرۂ قلعۂ خیبر کا حیدر در

جب سے تم اے نازنیں نتھ کو سجے ہو تب سے ہی
جی ہمارا ناک میں غصہ تمہارا ناک پر
روز محشر میں بچا دیں گے تجھے بارا امام
مت سقر کے ڈر سے فکر سات اور پانچ کر

جو دیکھ کر تیری آنکھوں کو دیکھے بیماری
وو قلیہ نرگسی چاہے کہاں کرے پرہیز

بلائے غم کو میرا دل ہے صبر کا تعویذ
نہیں ہے اوس میں خوشی ہے یہ جبر کا تعویذ
اے شمع رو تری محفل سے مر چلا جل جل
دِلِ پتنگ سے کر میری قبر کا تعویذ

لال ہے موسمِ گُل سرخ کرو اپنا لباس
کہ کریں ہم بھی سخن رنگ سے بلبل کے پاس

نظر میں رہتے تھے ہم چشم جو ہمارے پڑوس
دریغ وو گئے آنکھوں کو موند لاکھوں کوس

جب سے اے رنگیں ادا تیرا ہے رنگِ گُل میں نقش
تب سے ہی میری آہ کا ہر سینۂ بلبل میں نقش

سراپا آن ہے تیرے سخن میں   ارے عاجزؔ تجھے ہر آن شاباش

ہمارا اشک تو دیتا ہے آپِ ابر کو قرض
ہمارے دل سے بھی ملتا ہے صبرِ صبر کو قرض

آتا ہے جان بر میں تو ہوتا ہے غم غلط
جانے سے اوس کے سینے میں ہوتا ہے دم غلط

قاتل آتا ہے ہمارا آج خنداں الحفیظ
ہم ہیں ساری سرگذشتوں میں نمایاں الحفیظ
ہجر کی راتوں میں آیا درد میرے دل میں آہ
بے طرح آکر ملا مینا سے سنداں الحفیظ

میرا سیپارہ دِل ہے جیسے تیرے درس کا طامع
وظیفہ ہر سخن اخلاص سے رکھتا ہے باسامع

آئی بہار رنگ سے خوش ہے دماغِ باغ
لیکر کھڑی ہے نرگسِ مخمور ایاغِ باغ
عاجزؔ بھی شمعِ آہ جلاتا ہے وحشت میں
روشن اگر گلوں سے ہوا ہے چراغِ باغ

گلشن میں ہے بہار چل اے شوخ فیلسوف
شبنم کو مے بنا دیں گلوں کو بنا دیں ظرف

جب سے لکھے ہیں ہم تیرے شیریں لبوں کے وصف
شربت سیاہی ہو گئی آنبوں کے ریشے صوف

جب رنگ ترے لب کی مسّی بھرے نقّاش
غنچوں کے صدف میں کرے حل چاند کی کالک

لال کی دوری سے سرخی لئے ہو گر اشک ہمارا تو جاتا ہے ڈھل ڈھل
سوز جدائی سے دِل لوہو ہو کے نکلنے لگا ہے گا آنکھوں سے پل پل

خاصہ سجن میرا گل بدنوں میں لباس کو جیسے کیا ہے گا تن سکھ
دل میرا پر کا ہے ہوتا ہے سینے میں سر کو پٹکتا ہوں ہاتوں کو مل مل

اسیرِ عشق کو اے بیکسو تدبیر کیا لازم
جو خوش زلفوں کا بندا ہے اسے زنجیر کیا لازم

پچھوڑو ہم سے اپنے رام خاطر رام رام اپنا
تمہارے رام ہیں حق کی قسم اے شوخ ہندو ہم
اے سیہ چشم آہِ دل تیری نگہہ کی یاد سے
بن گیا وحشی غزالوں کے بچکنے قسم

باغ میں اس لالہ رو بن آہ جب جاتے ہیں ہم
دل کے داغوں کو گلوں کے تازہ کر آتے ہیں ہم
عشق سے خوش قامتوں کی سبز پوشی کر پسند
سرو کے بوٹے قبا پر اپنی چھپواتے ہیں ہم
محتسب کے ہوش کو دارو سے دیتے ہیں اڑا
قلعہ مینا کوں جب مستی سے ہلکاتے ہیں ہم

اب کھولتے ہو زلف نپٹ بندوبست سیں
شاید یہ ہو جان کسی جلد دست سیں
مرتا ہوں تیرے غم میں اے کیفی نگاہ جان
بنوائیو کفن میرا کوئی مے پرست سیں

خوش قدوں کے غم میں مرتا ہوں بتا دو قمریو   خانۂ تابوت میرا سرو کے شہ تیر سیں

خوش نگہہ کی یاد میں ساغر کو جب گرداں کروں
بے تکلف گردن مینا کو نرگس داں کروں
اوس حنائی ہات کی تعریف خونِ دل سے لکھ
ریشۂ نخلِ قلم کو پنجۂ مرجاں کروں

تیری زلفوں کی لٹ کے وصف اگر بولوں فلیلی سیں
بھنور ہو جا کے لپٹے بیل سا نخل چنبیلی سیں

ہمارا خو بنہاوے جلد اے یاقوتِ لبِ قاتل
کہ دل خوں ہے تیری مہندی بھری رنگیں ہتیلی میں

اے مو کمر میاں تیرے غم نے لیا ہے کس
اب کیا کمر کو جیوں کمر بے کساں کسوں

دل کے گھر میں درد آتا ہے برہ کی راہ سے
اوس کے استقبال کو اے اشکِ غلطاں دوڑیو

آج آیا ہوں سخن میں شعر اعشق اللہ
بت بنا زور قلندر ہوں نیا عشق اللہ

اے ماہ رو نشاط سیں آیا ہے ماہِ نو
ہم دیکھتے ہیں تیری بھویں تو ہلال دیکھ

جو گر توں کے شوقِ قدم بوس میں مرے   تربت سے اوس کی جو اُگے نخلِ حنا بنے

عاشقِ وحشی کی گر تصویر کھینچا چاہیے   اول اوس کے پاؤں میں زنجیر کھینچا چاہیے

عرق جب اوس پری کے چہرہ پر نور سے ٹپکے
خجل ہو گل سے شبنم جیوں لہو ناسور سے ٹپکے

میری آنکھوں سے خونیں اشک یوں گرتے ہیں پلکوں پر
لہو سولی کے اوپر جیوں سرِ منصور سے ٹپکے

مرا دل لاروکے[1] غم کو بہنے کی حویلی ہے
جگر داغوں سے طاوسِ گلستانِ گندھیلی ہے

وو چنچل کھول زلفیں ناز سے شانے کو پھیرے ہے
ارے دل کیا خبر تیری کہ آنکھوں میں اندھیری ہے
ارے سودائیو مت جھاڑ سمجھو بید مجنوں کو
مرے شورِ جنوں سے یہ تو مجنوں کی پھریری ہے
سخن فہموں کلی[2] کے دن عجب دُر ریز تھا عاجز
اوسے تم آج دیکھو بے سخن مٹی کی ڈھیری ہے

چمن میں جاکے وو رنگیں ادا جب مسکراتا ہے
گلوں سے رنگ اوڑ کر لال سا جنگل کو جاتا ہے
ہمارا اشکِ خونیں یاد میں گلرو کی بہہ بہہ کر
نگہ کو رشتۂ تسبیحِ یاقوتی بناتا ہے
تیری کاکل کی جب تعریف کو اے شوخ لکھتا ہوں
قلم ہاتوں میں میرے ناگ بن کر کلبلاتا ہے

سواری ہے جنوں کے شاہ کی صحرائے وحشت میں
ارے دِل کھول دے آہوں کے جیلدی سے نشاں اپنے

---

[1] اورنگ آباد سے قریب ایک مقام کا نام ہے جہاں پہلے باغوں کی کثرت تھی [2] کل ہی

بنے تیری نگاہِ گرم سے ہم تو تیا جل کے
ہماری قبر پردے جان چھاپے خوب کاجل کے

عشرت

ذہین والا فطرت خواجہ ابوالبرکات خاں عشرت خلفِ ارشدِ نواب لشکر جنگ است، و در معنی تلاشی از بہرہ یابانِ سید سراج الدین سراج است۔ طبع رسا و ذہن خلک پیما دارد فقیر در حیدر آباد یکبار بہ او ملاقات نمود مرد بسیار خوش خلق ظاہر و باطن آراستہ بہ نظر در آمد از وست۔

ہجر کے درد و مصیبت نے کیا از بس اداس
سر کہیں آنکھیں کہیں اور دل علیٰ ہٰذا القیاس

کیا ہوا حاصل تجھے توڑے سے اُس مفلس کا دل
ہات آتا زر اگر تم توڑتے نرگس کا دل

احتیاطِ جاں کیے جب تک کہ دل بھی پاک تھا
اب تو ہم گذرے سبھوں سے کس کی جاں اور کس کا دل

صافیٔ آئینہ کب دل کے مقابل ہو سکے
آپ دریا آبِ گوہر کیوں کے شامل ہو سکے

ہیں ہواجب سے تری نرگسِ فتاں سے جُدا   تب سیتی خواب ہوا دیدۂ حیراں سے جدا

رات دن اس دلِ بیتاب کی صحبت ہے برابر آہ سوزاں سے جُدا دیدۂ گریاں سے جدا
عشق کی آگ میں قایم ہوں گُلِ شمع سا میں سر کٹا پر نہ ہوا شمعِ شبستاں سے جدا

گلشنِ دل میں اگر سروِ خراماں گذرے اشکِ خونی سے گلستان میں طوفاں گذرے

مسی و پان سے ہے لب پر بہارِ رنگِ عنابی
خمارِ مے سے ظاہر ہے قماشِ سرخ کمخابی
پلک کے مارتے آنکھوں سے ہو گئے غائب
ہمارے اشکِ خونیں کر گئے پروازِ سرخابی
ہمارے دل کو عشرت ہے ہمیشہ طاقِ ابرو میں
کہ جیوں محراب میں خوش تھے سدا شہ نورِ محرابی

ارے دل تیرے ٹکڑے ہیں کہاں آنسو کے دانے ہیں
مگر آنکھیں ہمیں نیں ہیں کہ یہ سارے بہانے ہیں
کب اوس زلفِ سیہ کو کنگھی یہ دل کی خوش آتی ہے
ہزاروں پیچ کی باتیں ہیں سو سو شاخسانے ہیں

دیکھا ہوں جب سے باغ میں اوس خوش نگاہ کو
نرگس نے کی ہے گُل میرے سر سے بجائے آنکھ
عشرت مدام مدِّ نظر رکھ یہی دعا
دل جائے جان جائے پہ ہرگز نہ جائے آنکھ

عروج

مصدر نکاتِ فنونِ اوستادی میر بہاء الدین حسین عروج اورنگ آبادی۔ والد ماجدش ضیاالدین حسین خاں رنگین است، و طبعِ دقاوش نگارندۂ تازہ مضامین، ولادتش در ماہِ صفر المظفر سنہ خمس و سبعین مائۃ الف در اورنگ آباد دکن واقع گردیدہ۔ تحصیل متداولاتِ عربی بخدمتِ میر انور الدین دل اتفاق افتادہ و اصلاحِ شعرِ ریختہ اوّل از میر مہربان گرفتہ بعد ازاں کہ حضرت مولوی صاحب بلیغ دام قدرہٗ تشریف آوروند، چند کتبِ فنِ شعر بعالی خدمت گذرانید، و مشقِ سخنِ فارسی و ریختہ ہر دو ازاں جناب می کرد، بیعت بجناب مولوی صاحب کردہ و نشۂ فراواں از خمخانۂ معنی بہ دماغ و دل رسانده فکر سخن کم می کند و آنچہ می گوید خوب می گوید۔ در ہیولا تذکرۃ الشعرا مسمیٰ بہ خزاں[1] و بہار نوشتہ و دراں تلاشہا کردہ، ہر کس کہ می بیند می داند کہ چہ خونہا خوردہ۔ از وست

کب لگ رہے گا ہم سے تو بیزار دیکھنا
نبھتا ہے کاں تلک ترا انکار دیکھنا

ہر اکدم تیر مژگاں مارتے ہو میرے سینے میں
مگر مرضی نہیں سرکار کی مخلص کے جینے میں

روے خوب اوس کو دیا حق نے ہمیں بخت سیاہ
اوس طرف صبحِ وطن شام غریباں اس طرف

---

[1] اصل نام بہار و خزاں ہے۔

یوں ظلم اے پیارے گر تو، کیا کرے گا — عاشق کوئی بچارا کیوں کر جیا کرے گا
جو جاں کنی کہ ہم نے اُس عاشقی میں کی ہے — مجنوں نے کیا کیا ہے فرہاد کیا کرے گا

اے دل اوس زلف میں اٹک تو سہی — یہ بھی اک عاشقوں کا سودا ہے

شاخِ ریحاں ہوا گر آہ مری دُور نہیں
یاد میں اوس خطِ شب گوں کی فغاں کرتا ہوں

*

عزلت

سلالۂ خاندانِ سیادت، زبدۂ شعرا و علما، معدانِ فضیلت سید عبدالولی عُزلت، خلف الصدق سید سعد اللہ قدس سرہٗ کہ افضل الفضلا و علامۃ العصر خود بودند و در بندرِ سورت از بدوِ شعور اقامت داشتند و تا اواخرِ عمر عالمے از فیضِ شاں فیض یابِ تحصیلِ علوم می شد و گاہ گاہے شعر ہم می فرمودند۔ ایں رباعی از اوشان است۔

بے عینِ علی عشقِ خدا اشق گردد — بے لامِ علی عقل و ذکا عق گردد
بے یائے علی شود یقین اللہ قبں — ہر کس کہ علی شناخت او حق گردد

سید عبدالولی عزلت اواخرِ عمر در حیدرآباد آمدہ و دیہے بعنوانِ وظیفہ از سرکارِ رئیس الملک تحصیل کردہ۔ در ۱۱۸۹ھ ہجری در جرگۂ خاموشان عُزلت گزید۔ ایں اشعار از وست۔

خواب میں بوسے کو تیرے اون لبوں سے جنگ تھا — صبح کو دیکھا تو اون لعلوں کا ٹوٹا رنگ تھا

دلِ ہوا روشن تو سجدہ سوئے لبو کرنا پڑا — آبِ چشمِ تر سے جیوں گوہر وضو کرنا پڑا

زلف اوس مہرو کی ہر شب تھی مجھے لیل البرات — دن پڑے اب جیوں شبِ قدر آرزو کرنا پڑا

اوس کو پہونچی خبر کہ جیتا ہوں — کسی دشمن ستی سنا ہوگا

سخت پستاں چبھے میرے دل میں — اپنے ہاتوں سے میں خراب ہوا

آج دل بے قرار ہے میرا — کِس کے پہلو میں یار ہے میرا

دِل لے کے توڑ مجھسے کہو لعنت خدا — اُلفت کی یہ سزا ہے میاں رحمتِ خدا

جلد مر گئے تری حسرت سیتی ہم — کہ ترا دیر کا آنا نہ گیا

وو پل میں جل بجھا اور یہ تمام رات جلا — ہزار بار پتنگے سے ہے چراغ بھلا

مرے سوزِ دل سے لالا تجھے ہے خبر تو چپ رہ
کہ مرے چراغِ دل سے نہ دھنوا اوٹھا نہ شعلا

تجھ نگہ سے مجنوں جیوں مار مار ڈالا
ہر لختِ دل کو اوس پر میں وار وار ڈالا

تڑپتا ہے خوشی سے بے طرح دل مجھ سے بسمل کا
مری چھاتی سے یارب مت جھلیو تانُوں قاتل کا

جیو دیکھو تماشا لالہ زارِ کوہ وہاموں کا
چراغاں ہے یہ عرسِ حضرتِ فرہاد و مجنوں کا

کر کے ویراں میرا دِل دلبروں کے ہات کیا آیا
یہ بیت اللہ توڑے سے بتوں کے ہات کیا آیا

اگریں معجزے کو خاکساری کے عیاں کرتا
بگولے سے بنا اور ہی زمین و آسماں کرتا

نہیں اس سال وو تو نیں نین بھوری الک ڈالا
لگو لالا کو آگ اور ہو جو نافرماں کا موتہہ کالا

بہار آئی یہ تنگ آیا دِلِ وحشت پناہ اپنا
کروں کیا ہو یہی چاک گریباں دستگاہ اپنا

سیہ روزی میں میری قدر کو احباب کیا جانیں
اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچانتا ہے گا

کاش کے اس کو دیتا میں دِل اپنا عزلت
گرہِ خاطر دل بہ ہوا یہ خانہ خراب

جیوں گُل از بس کہ جنوں ہے مرا ساماں کے سات
چاک کرتا ہوں میں سینے کو گریباں کے سات

ہنستے کیا ہو میرے رونے پر اے دل دار بہوت
تم سلامت رہو بندے کے خریدار بہوت

ادھ جلا مجنوں کے دل کا کو ملا آتی تھی پھونک
ورنہ لیلیٰ کا ہے کو جاتی بیابانوں کے بیچ

غیرِ آہِ سرد نیں داغوں کے جانے کا علاج
جز صبا کیا ہے چراغوں کے بجھانے کا علاج

ٹک تماشا کر میاں اوس قد کی وہ نازک کمر
تو نے ہرگز عمر میں دیکھا نہیں اے خضر ہیچ

تاری زلفِ سیہ دیکھکر زرافشاں آج
شبِ برات کا سب جل گیا چراغاں آج

دھوم جب مچتی ہے ہولی کھیلنے کی شہر میں
ہچکی لگ جاتی ہے رونے سے ہمیں مینا کی طرح

ہے بتوں کے پاس یا صحرا میں یا آوارہ ہے
بھولتا نئیں دل جہاں ہو لے خدا یادش بخیر

دن پھرے میرے کہ وہ عاشق فراموش آج رات
نامِ عزلت سنتے ہی کہنے لگا یادش بخیر

یار کا گت ناچنا شاہد تھا میرے حال پر
رات میرا شیشۂ دل ٹوٹتا تھا تال پر

موے پر بھی توجہ ہے جنوں کی میری عزت پر
بنا پتھروں سے طفلوں کے یہ گنبد میری تربت پر

نیم بسمل ہوا میں تیغِ نگہ تب رکھ لی
کس بھلے وقت بُرا ہو گیا جلّاد کہ بس

دیکھ کر اوس کے لبِ مے گون و خطّ و خال کو
ہے مجھے صہبا و بنگ و حبِّ افیوں کا علاج

کس خوشی سے کاٹتا ہوں اوس لبِ مے گوں کا غم
ہے میرے ہنس ہنس کے رونے کا سدا قلقل میں نقش

دل سسکتا ہے اے زلف و چشمِ خوباں الوداع
مرچلا دیوانہ اے زنجیر و زنداں الوداع

چشمِ پُرخوں میں میری جب سے بسا وو سانولا
تب سے جیوں لالہ میرے موںہہ میں ہنسی ہو گئی ہے داغ

گھر یار کا ہم سے دور پڑا اگئی ہم سے راحت ایک طرف
دل ایک طرف آہ ایک طرف ملنے کی حسرت ایک طرف
جیوں مشتِ سپند میرے اعضا جل دل کے انگارے سے اُڑتے ہیں
داغوں کا محشر ایک طرف نالوں کی قیامت ایک طرف
دل ہات دے یار کے کیونکر لیئیوں پھیر آہ جہاں کی ملامت سے
جی لیوے غیرت ایک طرف مارے ہے مروت ایک طرف
غل ہے پھترا ؤ ہے لڑکوں کا ایک آہ کا لٹھ ہے ہات مرے
ہے سارا عالم ایک طرف دیوانہ عزلت ایک طرف

اوس بسنتی پوش لالہ سے میرا دل ہے بہ تنگ
جیوں گلال اُوڑتا ہے جس کے ہات سے چہروں کا رنگ

گرد سے چہرہ بھرے آئے چمن سے دوڑتے
میں نے موںہہ چوما تو کہتے ہیں تمارے موںہہ میں خاک

عشق پر غالب رہا مجنوں وو تنکے سا نحیف
یہ وو جا گہ ہے کہ شعلے سے کرے خاشاک جنگ
بادشاہِ عشق نے مجکو دیئے ہیں یہ خطاب
آفت الملک فنا الدولہ عزلت خاک جنگ

کوہکن لالہ سے خوں تیرا ہے جوشاں بعدِ سال
بے ستوں کے دیکھ دایم ہے بھری دامن میں آگ

دورِ عنا سے میرا ہوا کیوں نہ ربطِ آرزو نازک
کہ پتھر سے دل اوس کا سخت ہے شیشے سے خونازک

دماغِ زخمِ عزلت بوے گل سے ہووے ہے برہم
مزاجِ یار سے بھی اے دلِ خونیں ہے تو نازک

ہم شہیدوں کی خاک اوڑا کر لال
موں پہ اوروں کے ڈالتا ہے گلال

ہوا ہے سنگدل یہاں تک کہ اب ہم سے ہے یار اوجھل
نہ تھا آنکھوں سے اوٹ ایک پل اوسے ہو گئے پہاڑ اوجھل

شکر کر اتنا اثر بس ہے جنوں کا تیرے
رنگ کر خرقہ لیا گل نے فقیری بلبل
تیرے نالوں نے خزاں کرکے اوڑایا گلشن
گل کا ہر برگ ہے ساون کی بھنبیری بلبل

عذابِ قبر سے دے گا نجات عشقِ علی
کہ زیرِ خاک ہے آخر ابو تراب سے کام

میرے مرقد پہ ہو کر شعلہ ریاں سیم بر نکلیں
برنگِ شمع میری استخواں سے چشمِ تر نکلیں
بہے آتے ہیں جوں یہ برگِ گل سیلِ بہاری ہیں
میرے ہر ایک آنسو سات سو لختِ جگر نکلیں

بُتاں طفلی سے کب عاشق کے تئیں خاطر میں لاتے ہیں
کہ گُل غنچے تھے تب سے تھپکی بلبل کو دکھاتے ہیں

تمارے آبلۂ پا کو جنگل یاد کرتا ہے
لہو ہر خار سے ٹپکے ہے اب لگ دست سودا میں

جیوں بگولا ہوں میں طوفانِ جنوں کا گرداب
سر کہیں ہات کہیں پانو کہیں راہ کہیں

دیکھنے بِن تیرے کچھ اور تو مطلوب نہیں
بخدا ہم سے اے بت بدروشی خوب نہیں

میں وو مجنوں ہوں کہ آباد نہ اجڑا سمجھوں
مشت خاک اپنی اوڑا کر او سے صحرا سمجھوں

تجھ میں نامِ داغ ہے لالہ میرے دل میں ہے آگ
ہے تیرا دل بر تو نافرماں میرا نا مہرباں

عقل کی تدبیر کیا مجنونِ سودائی کے تئیں
باغباں درکار کب ہے نخل صحرائی کے تئیں

بے صبا غنچوں کا حل نئیں عقدۂ مشکل کہیں
بختِ دل کھلتے نہیں جب لگ نہ دیجے دِل کہیں

میں کہا پستاں تیرے ہیں سخت خوب　　مسکرا کر بولا کہ پتھرے ہیں خوب

جو ہم یہ طفلوں کے سنگِ جفا کے مارے ہیں
بتوں کا شکوہ نہیں ہم خدا کے مارے ہیں

تری زلف کی شب کا بیدار میں ہوں　　تجھ آنکھوں کے ساغر کا میخوار میں ہوں
کدھر بہتا پھرتا ہے اے گریۂ غم　　کہ آنکھوں سے تیرا خریدار میں ہوں

جز لالہ زار مجکو گلستاں سے کام نئیں　　ان دل جلوں کی بو سے ذرا خوش دماغ ہوں

اے دل شکنو اپنی تمنا کی خبر لو　　توڑے ہو جو شیشہ کو تو صہبا کی خبر لو
ہر لخت میں دل کے ہے جدا داغ نمک سود　　دل کھول کے ٹک غنچۂ لالہ کی خبر لو
سن کر میرے یوسف کی خبر کاٹتی ہے ہات　　مرقد میں کفن کھول زلیخا کی خبر لو

میں دِوانا ہوں اون آنکھوں کا یہ تدبیر کرو
نرگسی ہار سے یارو مجھے زنجیر کرو

عرض مالو تو مجھے شعلہ رخو شاد کرو　　آگ پر دیکھو جب اسپندِ دل یاد کرو

درد جوں شمع ملے ہے شبِ ہجراں مجکو
کھا گئے رو رو میرے دیدۂ گریاں مجکو

ادس سیہ چشم کا مقتول ہوں میں خونیں دل
قبر میری کوئی لالہ کے چمن میں کیجو

پھر آئی فصلِ گل اے یار دیکھیے کیا ہو
جنوں کا دل میں چبھا خار دیکھیے کیا ہو
چمن میں باندھنے کو آشیانۂ بلبل
گلوں نے جمع کیے خار دیکھیے کیا ہو
وہ عزلت اب مرا یو جھیگا غم کہ آرسی دیکھ
ہوا ہے اپنا گرفتار دیکھیے کیا ہو

مستی اور دیوانگی کی وحی لائی ہے بہار
جامِ مے لالہ کا اور زنجیرِ نافرماں تو دیکھ

جب تن نہ رہا میرا ہوں واصلِ جانانہ
دیوار کے گرنے سے ہم سایہ ہو ہم خانہ
آئینہ میں دیکھا کر موں اپنا اے جانانہ
تا قدر مری جانے کاش اپنا ہو دیوانہ
دلِ شرمِ محبت سے تڑپے تو نہ پھیر آنکھیں
کیونکر پسے چکّی میں بھیگا ہوا ہے دانہ

طاعتِ شیخ پہ ہنستا ہے جہاں ہے شیشہ
جب کرے سجدۂ حق اشک فشاں ہے شیشہ

حشر میں قبر سے کہتا ہی اُٹھے گا مے کش
کہ کہاں مے ہے کہاں جام کہاں ہے شیشہ

دم میں آزاد کرے قیدِ خودی سے بخدا
مُرشدِ مشربِ مرزا منشاں ہے شیشہ

سوزِ الفت ہے پری رویوں کا پتھر میں یہی
دلِ خارا کا پھپولا ہے جہاں ہے شیشہ

دیکھکر رنگیں چمن کو دل میرا غمناک ہے
گُل کے ہاتھوں خونِ بلبل بھی گریباں چاک ہے

خاطرِ یاراں میں ہے ہم خاکساروں کا غبار
صاف ہے شکوہ دلوں میں کیا محبت خاک ہے

معنیِ باریک غزلت کہنے میں آتے نہیں
ٹوٹے ہے مضمونِ نازک ٹھیس سے تقریر کی

زلفِ لیلیٰ سے ہوا تھا مشکبو دست اس قدر
بوئے نافِ آہو آتی تھی دہانِ شیر سے

فصلِ گل ہے اب کی جی جلتا ہے دل گئیں دیجئے
ایک خدا گئیں ڈھونڈ لے کر بندگی پھر کیجئے

بے کسی پہ میری اوس کی تیغِ خوں گریاں ہوی
بلکہ مثلِ موج پیچ وتاب کھانالاں ہوی

خونِ دل کی لگ رہی تھی آنکھ جیوں لالہ کاواغ
پوست میں مہندی کے پڑیو آگ تیرے ہاتھ سے

چاندنی میں مے پلاپی کو عرق افشان کرو
عاشقو عطرِ گلِ مہتاب کھینچا چاہیے

ان دنوں تو شمع ہر شب غیر کی محفل کا ہے
سب جلانے کا یہ ساماں آہ میرے دل کا ہی
سرخ رُو تو ہوی مراد اپنی دلے میں ہوں خجل
کیونکہ تڑپوں پانو چھاتی پر مرے قاتل کا ہی

جن دنوں ہم اوس شب خط کے سیاہ کاروں میں تھے
اس ایاغ چشم کے پیوستہ میخواروں میں تھے
اس عزیزِ خلق کی آنکھوں کے دو بادام پر
بک گئے وہ سب جو یوسف کے خریداروں میں تھے

یار اوٹھ گئے دنیا سے اغیار کی باری ہے
گل سیرِ چمن کر گئے اب خار کی باری ہے

کر زخمی نگاہوں سے اب دل پہ اُٹھا ناگہ
تیروں کی گئی نوبت تروار کی باری ہے

جلے ہے موسم ہولی میں بلبل اس بن کو
کوئی گلاب کی پچکاری بھر کے مارے اوسے

نہ مارو قمقمہ تم آنکھ پر مری اے لال
تم اوس میں بستے ہو دیکھو کہیں تمہیں نہ لگے

مُوا ہوں داغ سے اوس گیسوے پریشاں کے
میری لحد کرو کیاری میں سنبلستاں سے کے
یہ نو بہار میں جیوں بوے غنچۂ گل ہائے
نکل گیا میرا جی پھاڑتے گریباں کے

کبھو یہ دل مرا آرام کس طرح پاوے
نہ پا تو پانؤ میں تیرے نہ ہات ہات آوے

جو آوے یوے وفا ٹک وہ لاابالی سے
تو اڑ کے رنگ سا جاؤں شکستہ بالی سے

اے آہ کبھو تیرے قد کی وصن میں آج کی رات
بہت میں رو یا گلے لگ کے سرو قالی سے

بہت سا چوستے اور کاٹتے ہو ہونٹ اپنے
کسی کے دل کا مزے سے کباب کھایا ہے

مجھ قبر سے یار کیونکہ جاوے   ہے شمعِ مزار کیونکہ جاوے

تو گو ہوا اغیار کا بندہ ہوں میں تب بھی
سر چاہیئے تو کاٹ لے حاضر ہوں میں اب بھی

پچکاریوں سے دہکی جلن دل میں لال کے
ان پھنکنیوں سے لگ اٹھی آتش گلال کے

بجھتا ہے کیوں انگار سے ساخاطر نجنت کی
جل اوٹھ دوانے باد چلی ہے بسنت کی

جوں موجِ آب ہے یہ جنوں جزو تن مجھے
زنجیر کی صدا ہے دمِ زیستن مجھے

اوروں سے ہم شراب ہو تم دل جلا چکے
ہم بھی کباب کر کے جگر اپنا کھا چکے

ہو جائے خاک عشق نہ چھوڑے وہ مرد ہے
جوں جادہ میری آہ وہی دشت گرد ہے

بسترِ خاک میں آسودگی عالی دیکھی		ورنہ شطرنجی و قالی و نہالی دیکھی
بخدا طورِ بتاں میں نے نرالی دیکھی		جب مرا رنگ اوڑا چہروں پہ لالی دیکھی

معجزے سے یہ ترا خطِ سیہ کیا کم ہے		لب کے یاقوت کی آتش کا دھنوا نیلم ہے

دِل لگا جس سے مرا وہ مرا دل دار لگے
تجکو کیوں چہل لگی ناصح ترا کیا لگتا ہے

کام ہے محشرِ رسوائی سے گو ہووے کہیں
خواہ صحرا مرا مسکن ہووے خواہ آبادی

اب یہ زخمی میں کب اول کا قلق باقی ہے
آخبر جلد لے صیاد رمق باقی ہے
مانگ کا اوس کی ہے سیندور دیکھو معجزِ حسن
رات آدھی ہو گئی لیک شفق باقی ہے
لعل و گوہر کی تمہارے لب و دنداں آگے
آبرو گئی ہے خجالت کا عرق باقی ہے

بچا دِل زلف کے عقرب سے تو کیا		کہ چوٹی ناگنی پیچھے پڑی ہے

ہم سے ایک بار پھر گیا دو جہاں		ایک تیری نین پھری نہ پھری

مستقیم ساقی سے میرا صبر ہے	مے نہیں دیتا ہے اور یہ ابر ہے

مقرر کیا ہوں خدا دیوے تو جا کے نت گلشن کوئے جاناں میں رہیے
وگرنہ بگولے سے ہو خاک بر سر طواف اپنا کیجے بیاباں میں رہیے
میرے دل نے پوچھا جناب جنوں سے خفا ہوں اے مشکل کشا جاؤں کیدھر
کہا اشک کے سات اس سینہ تنگی سے اوٹھیے سو جا چشمِ گریاں میں رہیے
نصیب سیہ نے دکھلایا خط اوس کا صفا حسن کی تو مت زورا رے دِل
جو صبحِ وطن ہات سے گئی نہ غم کھا کے روز و شامِ غریباں میں رہیے

اوس آہن دل کا جوہر مثلِ خنجر خوں فشانی ہے
صفائے دل کا وہ ہر چند دم مارے زبانی ہے

غضب ہے وہ صنم آنکھیں دکھا نظریں پھرا تا ہے
یہ دل دینے کے عصیاں کی سزا ہے حق دلاتا ہے

ہُوا ہے قحطِ اُلفت تب تو دیوانوں کو طفلوں سے
بجُز دشنامِ سنگیں اب تو پتھرے بھی نہیں ملتے

زنانوں کو فراغت کب ہے مثلِ مہرِ بادامی
کہ موہنہ کالا کرا وندھے ہو یا مشغول ادنگی ہے

جو میرے مونہہ سے دھوے گرد غربت چشم گریاں ہے
اب آنسو پونچھنے کو میرے ایک صحرا کا داماں ہے

لہو آنکھوں میں آنے کا سبب مت پوچھ نافرماں
ہنسی آتی ہے جیوں لالہ مرا دل داغ ہوتا ہے

برہنہ پاہوں میں پرخار صحرا سات ہے مجنوں	زہے طالع مری صحبت بیاباں سے بن آئی ہے

قدم چھاتی پہ رکھ کر ذبح کر تو مجھ سا قربانی	ترا مونہہ دیکھتا جی دوں مجھے پھر دیکھنا کیا ہے

اُوڑانا خاکساروں کا غبار اپنا خوش آتا ہے	ڈھلینڈی پنچھی کے دن وہ بے پروا مچاتا ہے

وہی ہے سرخرو ان سبز رنگوں کے حضور اے دل
کہ جیوں پچکاری اوس کی آنکھ سے بلبل لہو ٹپکے

لگا زخم اوس سلونی آنکھ کا دل تلملاتا ہے
نمک کا آب تھا خنجر میں شیریں جان جاتا ہے

میرا دل یوں ہے لپٹا اوس کی شمشیر ہلالی سے	لگا ہو غنچۂ گل جس طرح گلبن کی ڈالی سے
اوجاڑ اگر مجھے اس واسطے دختر ہے گل اوس کی	تو گلچیں اوس کا کیا داماد ہے کوئی کھوٹالی سے

اگر جوں رنگ گل گودی میں مجھ سے یار مل بیٹھے	دل زخمی کمالِ بے دماغی بیچ کھل بیٹھے

مجھے اے پستہ لب تو مت ورم بادام عیدی دے
مری جانب ٹک آنکھیں پھیر دو بادام عیدی دے

گنوا وے ہوش جب عاشق تو چشمِ یار میں ڈھونڈے
جب اپنا دل کرے گم کوچۂ دلدار میں ڈھونڈے
جسے جوں شمع سربازی میں ہو آرام جاں روشن
وہ اپنی زندگی کا دم چھری کی دھار میں ڈھونڈے

وہ خوش قد نے کیا ہے داغ مجکو اودے جوڑے سے
بلائے آسمانی عالمِ بالا سے آئی ہے

ہماری خاکساری مجنوں اور فرہاد گر سنتے
سراپا خاک ہو کر جوں بگولہ خوب سر دھنتے

تو موندے غیر سے پلکیں تو میری داد کو پہنچے
عجب بخیہ مرے زخم دل ناشاد کو پہنچے
دمِ آخر بھی نکلا آہ ہو کر اب تو کھول آنکھیں
یہ مصرع سن کے مر مر کر کہا صیاد کو پہنچے

نہ پوچھو اوس کی کیفی آنکھ گو سرمہ نے گھیری ہے
گریباں گیر ظالم بے سخن فریاد میری ہے

تیری آنکھوں سے کیا طاقت جو ہم چشمی کا دم مارے
غزال اون کا غلام آزاد نرگس اون کی چیری ہے

ادب سے پانو رکھ زندانِ اُلفت میں ارے مجنوں
کہ اس زنجیر خانے بیچ عزلت شیشۂ دل ہے

اے ناصح چشمِ تر میں مت کر آنسو پاک رہنے دے
ارے بیدرد، رونے میں مجھے بے باک رہنے دے
برس مت ابر مٹ جائیگا بگولا خاک مجنوں کا
خدا کے واسطے دشتِ جنوں کی ناک رہنے دے
یہ طاقت نذر ہے اے ناتوانی پر بہاروں میں
میرے ہاتوں کو چاکِ جیب پر چالاک رہنے دے

خنک جوشی نہ کرتے جوں صبا گر یہ بتاں ہم سے
تو مثلِ غنچۂ گل دل نہ جاتا رائیگاں ہم سے

کوئی کیا باغ جا لیوے مزہ سیرِ گلستاں سے
کہ بوے خونِ بلبل آوے ہے گل کے گریباں سے
میرا ب ظاہر و باطن ہے پنہاں ایک جوں غنچہ
کہ فضلِ حق سے اب ٹوٹے ہے دل چاکِ گریباں سے

وہ بالا ہے ترے نالے سے اوجِ دلبر اے قُمری
یہ تضمین سرو کے مصرع کی ہوئی گیا بہتر اے قمری

خُدا ہی پہونچے فریادوں کو ہم سے بے نصیبوں کے
ہمارے دِل کباب اور تو پے پیالے رقیبوں کے
خزاں میں برگِ گُل اور خار و خس تئیں صحن گلشن میں
پڑے ہیں لخت دل اور ٹوٹے نالے عندلیبوں کے
بہار آئی دِوانو سنتے ہو بلبل کی فریادیں
یہ آوازے ہیں فوجِ موسمِ گل کے نقیبوں کے

نہیں میں جوں بگولا دشت کے یا راہ کے صدقے
بلا گرداں ہوں اپنے یعنی میں اللہ کے صدقے
وہ دن بھی حق کبھو روزی کرے گا باہم اے بلبل
کہ تو ہو گل کے قرباں میں بتِ دلخواہ کے صدقے
شہیدوں نے نہ چھوڑا مر کے بھی رشتہ محبّت کا
کہ جوں تسبیح سو سر ہیں تری ایک راہ کے صدقے

بہار آدھی گذر گئی ہائے ہم قیدی ہیں زنداں کے
گئے کچھ اور کچھ جاتے ہیں دن چاکِ گریباں کے
ہزاروں خوب رُو گئے خاک میں گردش سے دوراں کے
چلکتی ریگ میں دیکھو مقیش ریزہ افشاں کے

گیا تو درد سر پر حسرت زخم دو ویم رنگینی
دگرنہ ہم تری شمشیر کے مارے ہیں احساں کے
میرا لوہو بھی بعد از مرگ قاتل کے تصدّق ہے
سنجاف سرخ مت سمجھے کوئی گرد اوس کے داماں کے

ہوا ہے داغ بے قدری سے اون کی مشت خوں میرا
پڑے کو یلے ہیں کب مہندی ہیں دست و پاے خوباں کے
جنوں سے خاک ہو گئے پر بھی عاشق بات ملتے ہیں
بگولے سارے ہیں اٹکل کیا غزلت بیاباں کے

بسے ہے تجھ میں دل پر دل کے تو جلنے کو کیا جانے
شرر پر جو گذرتی ہے سو پتھر کی بلا جانے
بغل میں لے رہا کعبہ بھی کیتے دن بتوں کے تیئں
جو مقبول خدا ہو سو بتوں کو آشنا جانے

اسی ماتم سے تن پر قمریاں ملتی ہیں خاک اب لگ
نہ جانے ہائے کیا کیا سرو قد اس خاک میں مل گئے

تلاش صید سے گروہ نگہ اک راہ لیجاتی
مجھے سعی طپیدن تا شہادت گاہ لیجاتی
جگر یاروں کے رقعے ہیں ہر ایک رہ رو کو سونپے تھا
کوئی لخت اشک لیجاتا کوئی لخت آہ لیجاتی

موے پر بھی مرے بلبل سے تھی دل بستگی گل کو
قفس سے مرے اگر صبا ناگاہ لیجاتی

نہ تھا ییں ایک پل نیرنگِ نازِ حسن سے غافل
نگاہ اوس کی کبھو دل چھوڑ جاتی گاہ لیجاتی

فتوت

صاحب شوکت وحشمت خواجہ عنایت اللہ خاں فتوت خلف الصدقِ لشکر جنگ ست، وچمنِ فکر را تازہ آب ورنگ، برادرِ کلاں خواجہ ابوالبرکات خان عشرت است وشاگردِ سید سراج الدین است وبحر طبعش مواج۔ از وست۔

کھلے ہیں داغ سب دل کے گلستاں اسکو کہتے ہیں
میرا ٹکڑے ہوا سینہ خیاباں اس کو کہتے ہیں

کیا رہا اے دلِ دوانے دشت میں جانے کا لطف
لے گیا مجنوں نے اپنے سات ویرانے کا لطف

بزم سے شعلہ صفت گرو زرہ پوش اوٹھے
دلِ سوزاں سے میرے آہ شرر جوش اوٹھے

یاں تلک مجھ سے ہے فریاد کو ربط قلبی
دم بدم نالہ مرے دل سے ہم آغوش اٹھے

تیرے دیدار کا رکھتا ہوں تلاش آنکھوں میں
اس سبب دل کا ہے اب وجہِ معاش آنکھوں میں

عیشِ بہار و رنگِ خزاں دیکھ مر گئی · · بلبل نے اپنا کام جو کرنا تھا کر گئی
لاگے گی اب کے سال جھڑی مینہ کی رات دن · بادل کے سات ملنے میری چشم تر گئی

دور میں اوس ساقیِ کیفی کے مے نوشوں میں ہم
مدتیں گذریں کہ ہیں مشہور مدہوشوں میں ہم
یہ سُبک روحی تجھے معلوم ہے بادِ صبا
خاک پر جوں نقشِ پا ہیں خانہ بر دوشوں میں ہم
باغ میں جا خوب روئے تاک کے سایہ تلے
دل کو آخر گم کیئے انگور کے خوشوں میں ہم
تجھ نگہ کے دھاک سے پانی ہو موجوں میں چھپے
اے ستمگر جا ملے ہیں اب زرہ پوشوں میں ہم

جب سے مجھ دل پر پڑی ہے یار کے کاکل کی چھاہنہ
خوش نہیں آتی ہے تب سے باغ میں سنبل کی چھاہنہ

توڑتا نیں وو صنم ہرگز کسی سایل کا دِل
ہاتھ آیا ہے اوسے شاید کسی کایل کا دل

اوس لبِ لعل کا گر عکس پڑے آنکھوں میں
دانۂ اشک مِرا جوں گُلِ مرجاں پھولے
ٹک زرا زلف کی لٹ جانِ فتوّت کھولو
کیا بجا ہوے جو یہ شامِ غریباں پھولے

حرف (ف)

فضلی

مظہرِ کمالاتِ خفی و جلی، شاہ فضل اللہ فضلی، خلف الصدقِ سید عطا اللہ اورنگ آبادی است۔ رسالۂ زادِ آزاد درعلمِ سلوک رقم نمودہ، و قِصّہ برہ بجھوکا و قِصّہ پریم لوکا بزبانِ ہندی ازو یادگار است۔ ازوست۔

موںہہ سے اپنے عرق تو دور نہ کر　　حسن کا عطر مجکو لینا ہے

کئی عاشق ہیں مار کھاتے ہیں　　کئی عاشق ہیں خار کھاتے ہیں

اے کبوتر جا کے کہ یوسف کو کوئیں سے نکل
تجھ بنا رو رو زلیخا ہوگئی ہے باؤلی

تجھ ملاحت کے لون کی لذّت　　جس کا دل ہو کباب کیا جانے

دیکھ کر تیرے پاؤں کی مہندی
مجھ کو تلووں سے آگ لگتی ہے

فخر دیں

کمالات پناہ حقایق آیین میر فخر الدین فخرؔ دیں از سادات حسینی ترمذی اصل نبیرۂ حاجی عبداللہ جنید ثانی و داماد سید محمد حیات صاحب کہ درویش صاحب کمال بودند۔ اوایل بزمرۂ سپاہیان می نمود، او آخر بموجب الفقر و فخری ترک لباس نمودہ یگانۂ آفاق بر آمد بعدش حضرت شیخن صاحب کہ عارف کامل بودند، بوقت آخر خرقۂ خویش در بر میر صاحب کردند۔ دریں ایام میر صاحب عجب عالمے دارند کہ قلم باوجود دو زبانی قاصر و صفحۂ قرطاس باوصف کشادہ پیشانی عاجز، گاہ گاہ بحسب موزونیت فکر شعر می فرمایند۔ ازوست۔

یار ہر شان عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
بے نشاں عین نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

جیب جاں صد چاک ہے تجھ شوق میں اے گلبدن
کیا چلے اب پنجۂ عشق گریباں گیر سیں
ناز کے خنجر کا بسمل ہوں تغافل مت کرو
جان جاتا ہے مرا ایک آن کی تاخیر سیں

حرف (ق)

قدر

فلکِ سخنوری را بدر خواجہ محمد منعم خاں قدرؔ، اصلش از ہمدان است، جدِ اعلیٰ خواجہ علی ہمدانی است از خلفائے راشدین سید علی ہمدانی۔ نسبش بچند واسطہ بحضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ منتہی میشود۔ خواجہ علی با پسرِ چہاردہ سالہ خود خواجہ ابراہیم نام از ہمدان سیاحت کناں وارد کشمیر گردید، و بسبب لطافت آب و ہوا و سیر گلگشتِ صحرا ہمانجا فرو کش کردہ رنگِ اقامت ریخت۔ خواجہ ابراہیم بیعت بخدمتِ والدِ خود نمودہ ہمانجا ماند۔ خواجہ عبد الغفور پسرِ خواجہ ابراہیم از کشمیر بر آمدہ پیش امیر خاں رئیسِ کابل رسید۔ او بخدمتِ خواجہ ابراہیم ارادت تمام داشت، قدومش را گرامی شمردہ بدیوانیٔ کابل تکلیف نمود، و از پیشِ بادشاہ خلعتِ دیوانی و خطابِ عبد الغفور خانی طلبید۔ خانِ مذکور مدت سی و چہار سال باستقلال سر انجامِ دیوانی کردہ او آخر در ہنگامۂ امیر خاں شہید شد۔ از بنا ہائے جبر و سرا و مسجد در کابل است۔ پسرش خواجہ عبد اللطیف از کابل وارد شاہجہان آباد گردید۔ و از انجا بہ اورنگ آباد شتافتہ بسبب موافقتِ امیر الامرا حسین علی خاں سکونت گزید۔ خلف الصدق او خواجہ عبد المغنی خاں مرحوم والدِ خانِ قدر است کہ بہ تعلقہ کچہری دیوانیٔ صوبۂ حیدر آباد مدتے مامور بود۔ و بعدِ فوتِ خانِ معز الیہ نواب صمصام الملک بہادر صارم کہ دیوانِ دکن اند قدر دانی فرمودہ خانِ قدر را از پیش گاہِ نواب آصفجاہِ ثانی خلعت امتیاز دہانیدہ جانشین والد ساختند۔ تا حالتِ تحریر بامور تعلقہ کچہری

دیوانی است۔ مولدش خجستہ بُنیاد، واز آغاز شعُور در ظلِّ تربیتِ پدر بحیدر آباد قامت قابلیت آراست۔ طبعِ سلیم و ذہنِ مستقیم دارد، مشقِ سخن و خطِّ شفیعہ در جنابِ قدوۃ العارفین زُبدۃ السالکین، خلاصۃ الکاملین، حضرت شاہ معین الدین علی تجلّی مد اللہ ظلالہٗ نمودہ۔ با مولّف بسبب ارتباطِ قدیم و آمد و شُدِ ہر روزگی در بارِ نواب موصوف مدظلہٗ و اشفاقہ، اتحادِ دلی بہم رسانیدہ۔ اکثر گاہ اتفاق ملاقات می شود، و در حیدر آباد بہ فقیر خانہ کہ قریب خانہ اش فرود آمدہ، ہر روز کرم نمودہ، اوقات را بفرحت و عشرت می گذراند۔ با والدِ مولّف و پدر صاحب ترجمہ و ہم چنیں با جدِ طرفین کمال دوستی بود۔ مردِ خوش مذہب و خوب مشرب است۔ ازوست۔

موشگافی خُوب نیں اے شانہ اوس کی زلف کی
بال سے باریک ہے یہ بات کاکل کی قسم

پیتا ہے بس کہ لو ہو ہر شب یہ بلبلوں کا
دھوتی ہے شبنم آکر ہر روز روئے غنچہ

کوہکن کی رگِ جاں مفت کٹی تیشہ سے
ہات شیریں کے لگا تو بھی نہ تارِ دامن

ساقی گیا ہے روٹھ کے ہم سے ہزار حیف
آئی ہے کیوں تو دھوم سے اب کے بہار حیف

قطعہ بند

کل شوخ سے دو چار میں ہو راہ میں کہا
کس کا ملے ہو ہات میں خوں کو نگار حیف

کہنے لگا کہ کچھ ہے تجھے سوجھتا نہیں
اندھے یہ ہے حنا تو نہ کہہ بار بار حیف

نیں تو قسم خدا کی میں سمجھوں گا بے طرح
کچھ بھی شعور ہے تجھے اے بدشعار حیف

میں نے کہا کہ بخشو میاں لو خدا کا نام
اچھے ہو تم بھی روز ہو لیکن ہزار حیف

مجنوں صفت پھروں ہوں میں صحرا میں تو بھی ہائے
اے لیلیٰ وش کیا نہیں بوس و کنار حیف

رویا ہوں بسکہ ہجر میں آنکھیں ہوئیں سفید
مدّت گذر گئی نہ ملا تو تو یار حیف

اوس بے وفا نیں سن کے غضب سے کہا مجھے
کس دن کیا تھا مجھ پہ دل اپنا نثار حیف

میں تجکو جانتا ہی نہیں ہوں خدا کی سوں
آوے ہے مجکو ہونے سے ترے دو چار حیف

وقتے کہ گل رخانِ جہاں کا یہ رنگ ہو
پھر زندگی جہان میں کیجے ہزار حیف

بلبل کو فصلِ گل میں اسیری ہوئی نصیب
رکھتا ہے کس قفس میں یہ صیاد دیکھنا
شیریں کا بے ستوں میں تو کھینچا ہے نقشِ پا
تیشہ لگے گا سر ہی میں فرہاد دیکھنا

میں تصدق ہوں ترا اور تو پھرے غیروں کے سات
میری قسمت میں لکھا تھا یہ میرے اللہ نیں
یاد میں زلفوں کی تیری بس کہ کھایا پیچ تاب
باغ میں کالا کیا سنبل کو میری آہ نیں

ہاتوں میں ہو سیاہ قلم سانپ کا مرے
کاکل کے تیرے پیچ کا سنبل اگر لکھوں
جب پان کو تو کھا کے ہنسا ہوتوں میں پھولا
گلشن میں دہن کے گلِ اورنگ تبسم

آنکھوں میں میری پھرتی ہے سج آہ کسو کی
دیکھا تھا میں تصویرِ سرِ راہ کسو کی
جوں پھول میرے سامنے مالی نیں لے آیا
بو آ گئی دو ہیں مجھے واللہ کسو کی

نہ چھپ سکی میرے مرنے کی بات اے قاتل
کہ بوئے قتل جہاں میں شتاب پھوٹے ہے

صحن چمن میں مہکے جو ساقی ہوا چلی — تجھ بن گھٹا بھی آئی سو ہم کو رلا چلی
بلبل ہوئی ہے دام میں صیاد کے اسیر — غنچوں کے کان کھولنے بادِ صبا چلی
لالہ نہیں ہے کوہ پہ فرہاد کی ہے قبر — شیریں نے آکے اوس پہ چراغاں جلا چلی

اُٹھا دے گا قفس قمری کا وہ شمشاد کیا مالی
نسیم صبح دم سے جس کی ڈالی میں لہک رہ گئی

مہر داغوں کی ہوئی ہے دیکھ لے اے بیوفا
عشق کے دفتر سے رکھتا ہوں میں یہ فرمانِ دل

تخت شاہی ہے زمرد کا دِوانے کے لیے
مینہ برسنے سے نہیں سبز ہے رنگِ صحرا

آب و رنگِ نازکی کو گل سے پوچھا چاہیئے
شیوۂ دیوانگی بلبل سے پوچھا چاہیئے

دے شتابی بلبل اب غنچہ کو تو پیغامِ وصل
فصلِ گل مفت نذر ہے ہے یہی ہنگامِ وصل

دن کو گر آنا نہ ہو تو شب کرم فرمائیے
ہم کو صبحِ عید سے بہتر ہے ایسی شامِ وصل

قطعہ بند

دوستوں گل کا یہ فسانا ہے
آج ٹک سنیو کیا زمانہ ہے
مجکو کہنے لگا وو تنہا گرد
دوستی تجکو گر نبھانا ہے
سات پھر مت میرے لگی بگلی
تجکو کوئی جائے گا دِوانا ہے
یہ روش خوب نہیں تری نادان
عشق عالم کو کیا جتانا ہے
تجہ کماں ابرو سات جو آیا
تیر مژگاں کا وو نشانا ہے
میں کِیا عرض اے کرم فرما
عاشقوں کو یہ کیا ستانا ہے
دیکھنا تیرا ہر گھڑی مجکو
زندگی کا یہی بہانا ہے
ورنہ میں کب سے مرچکا ہوتا
حرف یہ کیا زباں پہ لانا ہے
سب سمجھ بوجھ کر ارے ظالم
آپ ہنسنا مجھے رلانا ہے
تب وو غصہ سے شوخ کہنے لگا
اب میں جانا کہ تو دِوانا ہے
ڈو ہیں آیا زباں پہ یہ مطلع
دل بھی کس طور کا سیانا ہے
دوستی تبھی کچھ نبھانا ہے
بات کہنے میں رُو ٹھہ جانا ہے

حرف (ک)

کاظم

اقلیمِ سخن رانا ظم صوفی شاہ کاظم۔ ازوست۔

جب سیں اے شوخ تجھے بر میں سراپا کھینچا
تب سیں خمیازہ میں پھرتا ہوں میں کھینچا کھینچا

لامِ زُلف والفِ قد کو ترے دیکھ صنم
صفحۂ حُسن پہ کونین کے ہیں لا کھینچا

صبح ساقی کے قدم سے ہوئی عشرت کی مری
ہاتھ ساغر کا پکڑ گردنِ مینا کھینچا

تیری گلی سے جو نومید ہو گیا ہو گا
وہ کِس دکھوں سیں مرے گا اگر جیا ہو گا

مجھ دل کا شیشہ آج یہ کہتا صدا گرا
پھر جان سے اوٹھا جو نظر سے گرا گرا
کیا پوچھتا ہے یار میری موت و زندگی
مُشتِ غُبار تیری ہوا میں اوڑ اگرا
گلزار ہو رہی ہے گلی آج یار کی
ازبس ہمارا خون جگر جا بجا گرا

ابرو میں اوس کی آنکھ لڑا جان سیں ہوں سیر
تلوار بن میرے سیتی کھایا نجائے گا

جز دلِ آزار ہی بتوں کی آنکھ اوٹھ سکتی نہیں
کاظم اِس بیمار کو ہے نالۂ عاشق عصا

اس کی زلفوں کی سیاہی نے مجھے دابی ہے یوں
سوزباں جیوں شانہ گر ہووے تو جاوے لٹ پٹا

حال پر ہے خانمانوں کے فلک کو رحم نئیں
دھوپ کی چھکی بتایا گر کبھی بادل چھٹا

باغ سودا کا مرے ہر نخل ہے شوریدہ سر
کوئی تو ہیگا بید مجنوں اور کوئی ماد ھولٹا

کیا شکر ہے ترے نمک داں ہیں
مزہ بوسے کا آیا مٹھلونا
صید کرنے کو دید کی چڑیا
دیدۂ منتظر ہوا پونا

زلف کو اوس نے بیچ تاب دیا
دین و آئیں کو میں جواب دیا
تھا بصارت کا گنجفہ سب میر
رخ دیکھایا سو آفتاب دیا

فروغضب نہ ہوا تاکہ خط سبب نہ ہوا
اب التفات عبث جب کہ لطف تب نہ ہوا

ہر ایک بات پہ اینابی پیچ تاب نہ کھاو
ہوئے اگرچہ ہجیلے میاں غضب نہ ہوا

پری وش اوٹھہ کے میری برسے یوں نجا سکتا
بغل میں شیشہ تاسقف ہے آج شب نہ ہوا

میں اوس پری کو ہزاروں طرح سے لیتا دیکھ
ہزار حیف میرے حکم میں حلب نہ ہوا

سیاہی مردُمک کی جیوں کہ ہے سرمایہ بینش
ہماری رو سیاہی میں عیاں ہے جلوہ رحمت کا

جہاں دامِ پری ہے بس کہ سازِ شیشہ گر پھوٹا
طبیبانِ جنوں کا ایک تھا باقی سو گھر پھوٹا
کہاں لگ پاس دل کیجے نہایت جان رکھتا ہے
جتن جیتا کیا اس آبگینے کو بتر پھوٹا
کیا تھا خشک حیرت نے بھر اشک چشمِ گریاں کا
مرا ناسور ہوے گل سے پھر وقتِ سحر پھوٹا
یہاں لگ پاسِ دل کی فکر میں کاظمؔ ہوں مستغرق
اگر پہ پہتر یہ پھوٹے چونک او ٹھوں شیشہ مگر پھوٹا

بے جا نہیں ہے شیشہ و ساغر کا اتفاق
اس بزم میں رواج ہے بوس و کنار کا
جیوں آرسی صفا نے کیا ہم کو صلح کل
ورنہ کسے تھا ذوق یہ نقش و نگار کا
شانہ نجانو یہ میری بیعت کا ہاتھ ہے
میں ہوں مرید سلسلۂ زلفِ یار کا

پوچھتے کیا ہو میرے سے طورِ ہوس خونخوار کا
دیکھ لیو احوال یارو دیدۂ خونبار کا

ایک تنہا وصفِ مژگاں پھرے نیں یک بیک
ہر سرِ مو ہم سے بل کھاتا ہے زُلفِ یار کا

جو تیرے ہات سے خود رفتۂ تکبیر ہوا
خوابِ آفت زدہ کا گردۂ تصویر ہوا
صندلی رنگ کے گیسوٗ کے تصور کے طفیل
سانپ کا زہر مجھے عطرِ ملاگیر ہوا

فتنۂ مستی سے تجھ آنکھوں میں برسے ہے لہو
کیا حیا کے گھر میں غیرت واسطے جوہر ہوا

ہر چند اس کی راہ میں میں خاکسار تھا
آئینہ رو کے دل میں ہمیشہ غبار تھا

مت کہو مستی سے ہو گئیں سرخ اس گلرو کی نین
رنگ آنکھوں میں میرے خونِ جگر سے ہی چڑھا

تھے ناخنِ خراش میرے دل میں غنچہ رنگ
کرتے ہی ایک نالہ وہیں خوں سیں بھر گیا
کیوں خیرگی سیں دیکھے ہے خورشید کی طرف
آئینہ تیری آنکھ کا پانی سے مر گیا

اوس تُندخو کی دھاک سے آنسو رہا ہے تھم
لڑکا تھا بے کلیجہ کا دہشت سے ڈر گیا

تب تو قاتل تری آنکھوں مری کچھ شان بھرے
کوئی تن لے کے چلے کوئی سرِ خونبار مرا
اشک کے دن نہ تھے پیوند ہوا مالی کا
نے سوارِ مژہ تھا طفلِ جگر دار مرا

بے وفائی سیں ہوا ہے خلق کا دل آشنا
آشنا کے واسطے .... تو بسمل آشنا
بہہ چلا ہے جی مرا سیلاب میں شمشیر کے
مارتا ہوں دست و پا ہے بسکہ قاتل آشنا
دل اٹکتا نئیں کہیں ہم جب سیں ہیں تاراجِ عشق
مدّتیں ہوئیں یہ مسافر نئیں ہے منزل آشنا

کہاں سیں زلف کا دِل بیں خیال آیا تھا
کہ تیرے جی پہ سنئے سر سے کال آیا تھا
نجانوں خون سیں بلبل کے کیوں ہے آلودہ
عدم سے پھول تو دامن سنبھال آیا تھا
دیا ہے دِل کو شکست اوس کی زلف نے کا ظلم
بہوت دنوں سے یہ چینی میں بال آیا تھا

ہر گلِ داغِ جنوں میں ہے نسیمِ انبساط
پھر گئی کاظم مرے پر اب تو زنداں کی ہوا

نہ مجھ سیں بے گنہ کا خونِ ناحق رائیگاں ہوگا
مچا دوں گا میں ہولی کوئے قاتل میں جہاں ہوگا

پیشۂ نظارہ دل نے چھوڑ کر مفلس ہوا
یہ جواں بے کار رہ رہ کر پریشاں ہوگیا

جب مصوّر نے ترا نقشِ دو ابرو باندھا
بت پرستی کا نئے سر سیتی قابو باندھا
کیوں نہ اعضا سے میرے جائے تبِ غم کاظم
کاسنی رنگ کا چہرہ و وسمن بو باندھا

نگاہِ لطف سے تیری مجھے ڈر ہے خرابی کا
سخن باور نہ کیجے کیف میں ہرگز شرابی کا

لبِ ساقی نے کیا ہے مجھے بیتابِ شراب
عمر میں میں نے نہ دیکھا تھا کبھو خوابِ شراب

آج ساقی نے نگاہ اور کری مستی سیتی
پرتگالی موتیا لایا ہے اقسامِ شراب

عشق بازی میں کسے ہیں آج روشن ایسے بخت
لعل پارہ جان کر مانگا صنم مجھ دل کا لخت
کیا کروں اوس شوخ سے صحبت برا آتی نہیں
دل مرا شیشہ سے نازک اوس کا دل پتھر سے سخت

فصلِ گل بس کہ رہی بادہ پرستوں کے ہات
توبۂ مے کا پڑا عہد شکستوں کے ہات
کیوں نہ آلودۂ خوں دامنِ تقوی ہووے
آپڑی دخترِ رز توبہ شکستوں کے ہات
اس کے ہاتوں نے رگِ برگِ حنا سے کاظم
باندھ ڈالے ہیں گل رخ کے دستوں کے ہات

ہوا سیرِ چمن کا آج وو گلگوں قبا باعث
وگرنہ مدتوں سے تھی مجھے بادِ صبا باعث

بزم میں گر آوے وو صبحِ اُمیدِ عاشقاں
موںہہ چھپاوے شمع پروانے کے بالوں پر کے بیچ

بس ہے فردوسِ تماشا لعلِ نوخط کی بہار
کھل رہا ہے غنچۂ گل تختۂ ریحاں کے بیچ

بس کہ دَورِ چشم میں تیرے پریشاں ہے قدح
نرگسِ تصویر سا مجلس میں حیراں ہے قدح
خانہ بے خانہ، غذا ہے بادہ، بے ہوشی لباس
شیشہ ساز و برگ کا ناظم خانساماں ہے قدح

دل تو لیتے ہو توجہ سے پہ دل دینے کے وقت
تھرتھرا دے نہ کہیں تم کو ادائے وامِ تلخ

سیہ رہے مرا یا نامۂ گناہ سفید
اوٹھا نظر سے مری رند تو سیاہ سفید

راست آیا ہے مجھے یار کا حقّہ پینا
کون کہتا ہے کہ نئیں بوسہ بہ پیغام لذیذ

ہم تو شہید ہو گئے کر کر کے انتظار
پھولوں کے کام آئیگی اب باغ کی بہار

رقیبِ شوخ مرا رنگ زرد دیکھ ہنسا
گدھے کو قدر نہیں زعفراں کی ہے مشہور
ملے ہیں مجکو ہزار آئینے تماشہ کے
ہوا ہے شیش محل دل کا بس کہ چکنا چور

خوشخرامی سے تیری از بس کہ ہر جا ہو لہر
سر سیتی نظارۂ مردم کے بالا ہے لہر

آئینہ میں عکس تیری زلف کا کھاتا ہے بل
سانپ بھی پانی میں کیا بن بن کے لیتا لہر

لرزتے نیں ہیں پروانے یہ یار و شمع دھڑکے سے
بجائے خوں سر جنبانی انکار ہیں آخر

ہمارا مرغ دل ہو کیوں نہ دست آموز شانہ کا
کیا ہے آشیاں کاکل کی جا کر شاخ سنبل پر
یہاں لگ سر چڑھا نا ناز کو کا ظم جو کچھ تس نیں
گرہ ابرو سیتی اپنی اٹھا رکھتا ہے کاکل پر

کوچہ گرد زلف مت ہوائے دل سودا مزاج
سانپ کاٹے گا اندھاری رات کالی میں نہ جا

تلخ ہیگی زندگانی ہمدم جانی بغیر
مے تو کیا پیجے مگر جی دیجئے پانی بغیر

عشق کے مخمور ہو ینگے آتش غم میں کباب
یوں شراب ناز سے اس بزم خالی میں نہ پھر

ریاض سینہ ہے داغوں سے قطعۂ گل خیز
نفس ہے دود جگر سیں نسیم عنبر بیز

تمہارے لب کی نمکداں سے چشم لذت رکھ
جگر کے داغ لگے بو سے لینے بریز بریز

وو شاخِ گل سیں لپٹ پونچھتا ہے قطرۂ اشک
اس منہ نے کر دیا مرا جیب و کنار سبز

اوس گل عذار کا خطِ نو رستہ دیکھ لیو
ریحاں سے ہیگا حاشیۂ لالہ زار سبز

شوخی کو تیری کیونکہ کرے صحن جہاں بس
ہرجائی پن سیں تیرے مرا آیا ہے جاں بس

ساقی لب میگوں سیں پلا جام بہ تا حشر
جب موںہہ لگے کیف تو کہتا ہوں کہاں بس

مجھ آہ میں گر یز سی ہے متصل آتش
مجلس میں دکھیاروں کے لگی دل بدل آتش

آخر کے نہیں ہو گئے کو یلے کفِ پا میں
تھی رنگِ حنا کی جو ترے پا بگلِ آتش

نہیں آہ میرے دل سیتی نکلی او جھل آتش
باروت میں رہتی ہے کہیں بھی سنبھل آتش

سونا نہیں بھاتا مجھے جلتا ہوں جو غم میں
پہلو میں کہاں دل کہ ہے زیرِ بغل آتش

بے داغ میرے داغِ جنوں بیچ نہیں گل
جوں شمع مجھے دیجئے پانی بدل آتش

کاظم میرا انگور کے پانی سیں ہے دِل سرد
ساغر میں میرے لاوے کوئی گر کے حل آتش

غمِ فراق سیں جب تن میں لگ اوٹھے آتش
اگر میں آہ کروں بن میں لگ اوٹھے آتش

ہمارے داغ کے چونک کی دیکھ جلتی آگ
دلِ سیاہِ برہمن میں لگ اُٹھے آتش

جس نے دیکھا خواب میں اوس یوسفِ ثانی کا نقش
جیوں زلیخا ہو گیا دیوارِ حیرانی کا نقش

سب جائے خوش ہوا ہے یہ صحرا علی الخصوص
نظارہ خوب منعِ تماشا علی الخصوص

بے کیفیت نہیں ہے نشاط و غمِ جہاں
ساغر کا خندہ گریۂ مینا علی الخصوص

آب و ہوا و خاک ہیں سب مظہرِ اللہ
رندوں کے حق میں آتش صہبا علی الخصوص

جس طرح کرتے ہیں حلقہ صوفیوں کو وجد ییں
ہے نگاہِ مست کو تیری صفِ مژگاں ییں رقص

جس کو پہونچا ہے ترے ناوک خونخوار کا فیض
بار رہے او سپہ سدا غنچۂ اسرار کا فیض

ہم سیں کیے تھے تم نے نہایت وفا کی شرط
پیش آئے پھر جفا سیں یہی تھی ادا کی شرط
آزاد نہیں ہوں حلقۂ زنجیرِ زلف سیں
کاظم گلے پڑی ہے میرے کس بلا کی شرط

شادرہ پروانہ سرگرمی سیتی آتی ہے شمع
بے حجابی کا تماشہ تجکو دکھلاتی ہے شمع
گرمیٔ مجلس سیں جب بندِ قبا تو واکرے
شرم سیں رخسار پر اپنے عرق لاتی ہے شمع

کیوں نہ میرے رنگ پر سرخی بشاشت کی چڑھے
دخترِ رز سات میرا آج ہے روزِ زفاف

کوئی کہے ساقی کو آوے بزم ییں ساغر بکف
سرگرانی چھوڑ دیوے ورنہ ہم ہیں سر بکف

پھونکنے کو خانماں ناموس کا سرگرم ہوں
جام نہیں ہے آتشِ صہبا سیں ہوں اخگر بکف
ذبح کرتا ہے تصور مجکو اوس بے رحم کا
کچھ ستارا ہی میرے طالع کا ہے خنجر بکف

کیا فائدہ تکلّف ہے مجہ سیں عار تجکو
تو اپنی جائے خوش رہ میں ہوں اسی کے لایق

گر تجھے راہِ طلب میں ہوئے کچہ نعمت کی بھوک
یہاں غذا ملتا نہیں جز لختِ دل کے ایک توک

میرے جگر کو تیرے موئے عنبریں کی الک
شتاب مارِ سیہ سی گئی ہے ڈس کہ سلک
قفس میں دل کے خیالوں کے لال اوڑتے ہیں
پھرے ہے مردمکِ چشم جاں کا طرح فلک
تری جدائی میں اعضا میرے جدا ہو گئے
تمام شب نہ لگی آنکھ کی پلک پہ پلک

خوبوں کی جہاں گرمیِ بازار ہو آگ
اس دل کے تئیں شعلۂ حیرت سے دو آگ

خوں گرمیٔ دل کو میرے تکبیر ہے درماں
یعنی کہ اذاں کہنے سیں ہوتی ہے فرو آگ

مت جلوۂ دیدار میرے دل میں چھپاؤ
تم خانۂ باروت میں ہرگز نہ رکھو آگ

یہ لالہ نہیں فصل میں سلگانے کو کاظم
موسم نے رکھا پھول کے شبنم ستی دھو آگ

بار ہم کو کاں ہے تیرے روبرو ہونے تلک
روشناسی ہے تو بس دیوار کے کونے تلک

کس کی ابرو پر جبیں کو دیکھ دنگ ہے دل
شہیدِ تیغ پرتگالیِ فرنگ ہے دل
نبھے گی کس طرح اب اتحاد کی نسبت
ہمارا شیشہ ہے دل اور تمہارا سنگ ہے دل
میں تجھ سے کیا کروں دل کھول بے حجاب سخن
گرہ میں بندِ قبا کے میرا بتنگ ہے دل

پوچھتا ہے بلبلِ بے خانماں کا حال گل
خاک پر پروانے کی اے شمع تو بھی ڈال گل

ہے تصور ہجر میں آئینہ دارِ وصلِ دوست
سر بغل میں نیں ہے بلبل کی ہے زیرِ بال گل

جب کرے عزمِ سفر وہ نو بہارِ عاشقاں
ایک برس کی راہ سے کرتا ہے استقبال گل

جب حنائی ہات میں تیرے پیالہ ہو صنم
ہم سیہ کاروں کے طالع کو اوجالا ہو صنم

کھینچتے ہیں اوس کی آنکھوں سے سدا آزار ہم
عاقبت بیمار داری سے ہوئے بیمار ہم

دیکھتے ہیں جب کہیں رستوں میں دیوانوں کی دھوم
یاد آتی ہے ہمیں بھی اپنے ویرانوں کی دھوم
تو جہاں ہو کیا کمی نظارہ بازوں کی وہاں
کیوں نہ ہووے شمع کے اطراف پروانوں کی دھوم

پھر گیا مجھ سے زمانہ جب مری آنکھیں پھریں
جام عشرت کو اوٹھا اب طاقِ نسیاں پہ رکھوں

اس طرح کے بے وفا ہم نے نہیں دیکھے کہیں
یہ تغافل یہ جفا ہم نے نہیں دیکھے کہیں
کیا حیا کا شیوہ دکھلاتے ہو گویا عمر میں
چشم خوباں میں حیا ہم نے نہیں دیکھے کہیں

تجھ سا اس عالم میں کوئی نام خدا ہونے کا نئیں
میں بھی تیرے بن کسی اوپر فدا ہونے کا نئیں

سادہ رخسار ادھر بھی کبھو آجاتے ہیں
دلِ حیراں کے تئیں چہرہ دکھاجاتے ہیں
ان کے ہاتوں سے کدھر جاوں گریباں کرچاک
کیا لیا ہوں یہ بتوں کا کہ ستاجاتے ہیں
مجھ سیاہ بخت نے جز داغ کہاں پایا چراغ
دیکھ سکتے نہیں اوس کو بھی بجھاجاتے ہیں

ایسا نہ دیکھا کوئی بھی گل جس کا پیرہن
لوہو سیں عندلیب کے رنگیں ہوا نہیں

فریاد کہ یہ دہر ستاتا ہے مرے تئیں
ہر آن نیا جلوہ دکھاتا ہے مرے تئیں

نہیں آسمان سبزے بخت عاشق کے نظر آتا
بہوت سے لب ہوئے جب خشک تب تیری مسیں بھیگیں
کہاں انکار کو اب جائے ہے از بس کہ نکلا خط
ہمارے خون کا محضر ہے کب تیری مسیں بھیگیں
میں پیچ و تاب میں زلفوں کے اکثر ہات اٹھایا تھا

موثر ہوئی دعائے وقتِ شب تیری مسین بھیگیں

کچھ مروت نہیں رہی احباب بیں اِن دنوں چشمِ وفا ہے خواب بیں

برنہ آیا ییں ذقن کے چاہ سیں جی گیا ڈوب آخر اس گرداب بیں

ہے خیالِ زلف و رُخ سیں دل جو پیچ و تاب بیں
ہوئی فزوں دیوانگی میری شب مہتاب بیں

اب تو دریا بیں تحیر کے لگا دو نبی جی
پتلیاں ہو گئیں گرداب میری آنکھوں بیں

ہم اس گلشن سیتی اے باغباں ناشاد جاتے ہیں
دعا کرتے تیرے بیں خانہ صیاد جاتے ہیں

اِن دِنوں میری طرف صد حیف یار آتا نہیں
تن بیں جاں آتا نہیں دل بیں قرار آتا نہیں
قابلِ آتش ہے پامال جفا کار از دار
آبلہ کا کھولنے دِل غیر خار آتا نہیں
بس کہ جیوں آئینہ تصویر غم سیں تھج گیا
اب کسی کا دِل بیں کاظم کے غبار آتا نہیں

صحبتِ غیر میں بندِ قفسِ خار ہوں میں
کس فرنگی بتِ ترسا کا گنہ گار ہوں میں
کیوں دئے ہو میری زنجیر کو جلّاد کے ہاتھ
ہاے وو قتل کرے جس کا گرفتار ہوں میں

دیا ہے حق نے مجھے پنج گنج کی دولت
میرے پہ دار کا کھلا خمسہ مظہر سیں

دل اندنوں لگا ہی کسی گلعذار سیں — لیتا ہے جو خراج سدا نو بہار سیں
اوسکا شہید حشر تلک کیوں نہ سیس رہے — کرتا ہے ذبح خنجرِ زہر آبدار سیں
تجہ دل سیں اب تلک ہی رواں حسرتوں کا خوں
دامن بچا کے پھر شہدا کے مزار سیں

بھوں موڑ کر جو قطع کیا رشتہ مہر کا — لایا قسم کے واسطے تلوار درمیاں
میرا لہو حنا کے اوپر پیتا ہے داشت
پن کیا کروں قدم ہے ترا یار درمیاں

تن میں آرام کہاں جانِ گرفتار کے تئیں
نیند کب قید میں آتی ہے گرفتار کے تئیں
یہ بتِ جلوہ فروش اپنا خریدار ہے اب
اس کو سے جادو کوئی آئینہ بازار کے تئیں

حسرتِ خندۂ پنہاں میں ہوا ہوں میں شہید
فکر پھولوں کی کرو اب رکھو تلوار کے تئیں

تمہاری زلف کی زنجیر ہے جو شانوں میں
ہمارا شورشِ سودا پڑا زبانوں میں

میں ہوں شہید موجِ تبسم کی تیغ سیں
مجکو کفن دو خندۂ گل کی قماش سیں

آج گلزار میں وو بتِ نیرنگ نہیں
باس غنچے میں نہیں گل کے تئیں رنگ نہیں

وصف میں تیرے دہن کے میں ہوا ہیچمداں
اس قدر مجھ پہ کوئی قافیہ پھر تنگ نہیں

کیا کروں شکر و شکایت میں تری وضع کا شوخ
مہر نہیں قہر نہیں صلح نہیں جنگ نہیں

چلا جب باغ سیں وو تند خو اوٹھ طبع برہم سیں
لگے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے گل کی شبنم سیں

بلا کی طرز گی ہے ماہِ عقرب کے طریقے میں
تیرے عارض پہ مجکو خوف ہے اس زلف برہم سیں

کیا ہے قتل اس تیغِ ہلالِ عید نے اوس بن
نہیں یہ چاند میرے حق میں کم ماہِ محرم سیں

۱؎ اصل مسودہ میں اسی طرح لکھا ہے۔

گریباں چاک آئے ہم عدم سیں
یہ شیوہ گل کے تئیں پہونچا ہے ہم سیں

چلا دامن جھٹک کر یار جب صحنِ گلستاں سیں
گذر گئے غنچہ و گل تکمۂ و جیب و گریباں سیں
یہ کس جلتے ہوئے چھالوں کا ان پر فیضِ روشن ہے
کہ جنگل بیں چراغاں ہو گئی خارِ مغیلاں سیں

حرف (م)

مبتلا

زبان دانِ یکتا الف خاں مبتلاؔ مولدش اورنگ آباد است و بر سخنِ شیریں فرہادِ بلند شنو و بلند گو است، چندے عشقِ رعنا جوانے بر شہرستانِ دلش رسیدہ متاعِ صبر و شکیب را بغارت بردہ بود، اکثر براستہ و بازار پا برہنہ و شمشیر در دست عَلَم کردہ با چشمِ گریاں و سینۂ بریاں میگشت۔ با فقیر ہم چند بار اتفاقِ دو چار شدن افتاد۔ اگرچہ باہم مرابطۂ قدیم بود و اخلاص فی مابین بنہایتے نداشت، لیکن ازانجا کہ صحبتِ دیوانہ بہ دیوانگاں راست آید، ہر چند کہ آواز دادم و طلبیدم جواب نداد، ناچار شدہ ایں مصرع خواندم "دو چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند"۔ الحاصل چند روز بایں کیفیت گذرانید، چونکہ مزاجش درست شدنی بود، رو باصلاح آورد غرض مردِ خوبیست

وجوانِ رنگینے، زندہ باشد از وسست۔

ہماری چشم سے یوں خونِ ناب ٹپکے ہی
جوں رنگ ریز کے گھر میں شہاب ٹپکے ہی

دِن بدِن کیوں زرد رو، اور ناتواں ہوتی ہی یہ
کچھ دوا کر باغباں اس نرگسِ بیمار کی

دلکو خوش آئیں یہ دلبر کی ادائیں بھولیاں
غیر کو دشنام دے کتا ہی ہم پر بولیاں
غنچہ و گل خوں میں آغشتہ ہوئے گلشن میں صُبح
فندقیں مہندی کی انگشتوں کے جوکہ کھولیاں

پارہ دِل کر گزک پیتے ہیں ہم خونِ جگر
مجھ بغیر از کون اس مستی سے میخواری کرے

مرا دِل لبھانے کو دلبر تمہیں ہو
جفا جو، ہو ظالم ستمگر تمہیں ہو
جواہر کے دیکھے سے کیا مجکو حاصل
مرے حق میں اب لعل و گوہر تمہیں ہو
مثالِ طلا دِل کو آتش میں غم کی
تپاتے ہو کیسے ہو زرگر تمہیں ہو

نگاہِ تلطّف ہے مجھ پر تمہاری
اے آرامِ جاں بندہ پرور تمہیں ہو
کئے مبتلا دل کو کس کس ادا سے
نظر میں ہو صاحب فُسونگر تمہیں ہو

شکستِ خاطرِ عاشق نگرِ ظالم تغافل سے
مرا آئینۂ دل ہے ترا اسبابِ خود بینی

آنکھیں تو مثلِ آئینہ حیرت سے تہج گئیں
تا کہ تمہارے وصل کی ہم آرزو کریں
معلوم نئیں کہ یہ دلِ وحشی کہاں گیا
چل مبتلا اب اوس کی کہیں جستجو کریں

اگر وو شوخِ سرکش تیغِ ابرو کو نہ تیلاتا
نہ بِسمل کوئی کہلاتا نہ وو قاتل ہو اتراتا

مہربان

مصدرِ تجلّیاتِ سبحان میر عبدالقادر مہربان۔ خوش فکر روشن ضمیر است و طبعِ رسائیش مُمتاز و بے نظیر، در علومِ متداولہ بہرہ اندوز است و بر شعلہ رخانِ سخن جاں سوز۔ حقا کہ استعداد و والایش بہتر از

معاصران است، و طبعِ آسمان پیمایش خوشتر از اقران۔ در شعرِ زبانِ عربی و فارسی یگانہ است ممتاز، و در مادۂ تاریخ و کتبِ علّامہ است بے انبار۔ کتب ہا تصنیف کردہ و دادِ نکتہا دادہ۔ آبیست کہ در ہر رنگ می آمیزد، حق سبحانہٗ سلامتش دارد۔ از وست۔

غبار کوئے صنم تار ہائے اشک کے ساتھ
ہمارے تن پہ عجب ڈوریہ کی خلعت ہے

ہو گئی آنے سے تیرے دل کے میخانے میں دھوم
آنکھ میں مچتی ہی جیسے کیف کے آنے میں دھوم

لہو رونے سے فایق درد میں آنسو کا گرنا ہی
کہ تیں ہی قدر مرجاں جاں ہیں مروارید کی لڑیاں

خدا محشر میں لیوے داد قاتل سے مری لیکن
سبب جس دل کے میں مارا گیا اوس سی خدا پوچھے

موئے پر بال و پر بھی باغ میں رہنے نہیں دیتا
خدا جانے عداوت کیا ہی تجکو باغباں ہم سے

شعلہ رویوں کی بھویں ہر وقت رہتی ہیں ہچی
کیا کماتیں ہیں کہ آتش میں بھی تیں چھوڑی کجی

ترش رو کو نہیں ہی زیرِ خاک بھی جائے ثبات
تخم انبلی کا نکلتا ہی زمیں سے جھاڑ سات

آہ کیونکر کریں شکستہ دلاں
ٹوٹی انگلی بھی کئیں چٹکتی ہی

دل خون بن کوئی سنگیں دلوں کے پاس جاتا ہی
بجز سیندور بتخانہ میں کوئی کافر بھی آتا ہی

مخلص

رائے انند رام مخلص از وکالت پیشگانست و مقبولِ سخن فہماں، دریں و لا ورگذشت۔ از وست۔

دھوم آونے کے کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ار گجے کا پیالہ نرگس لیلے کھڑی ہے

یوں پکارے ہے کھڑا گلشن میں سرداز بیکسی
پنچیو قمری کہ کیا آزاد جاتی ہے بہار
پھول پر گلشن کے گویا دانۂ شبنم نہیں
عاشقوں کے حال پر آنکھیں پھراتی ہے بہار

مہر علی شاہ مہر

دقیقہ شناسِ سپہر مہر علیشاہ مہر۔ والدِ ایشاں، بصیغۂ جمعداری نوکرِ آصفجاہ گشتہ از دہلی بسمتِ دکن متوجہ گردیدہ بعد از فتحِ ممالکِ دکن در شہرِ خجستہ بُنیاد فروکش کردہ بہ نوکریٔ نوآب آصفجاہ می گذرانید؂ او در ینو لا از چندے تبدیل لباس نزدیکِ مزارِ مرشدِ خود بسر می بُرد وبسببِ مخالطتِ روحانی اکثر ہا بافقیر ملاقات می کند، ہم مکتبِ مولّف است۔ ازوست۔

ترے چاہِ زنخ سے دِل کے تئیں اخلاص ہے گہرا
کہ شاید اِن دلو چھوڑا ہے ان نے زلف کا لہرا
رہا خُشک اور نپایا مغز اوس کی بات کا ہرگز
رقیب اندھے کو کچھ نئیں یار سے آخر ہوا بہرا
صبا کہیو کہ اب کی فصل دیوانوں پہ کیا گذری
کیا ہے گُل نے اپنا جامہ چاک آیا مِرا پہرا

زاہد خشک کو شراب نہ دو　　آگ دو خار و خس کو آب نہ دو

تجہ لب پہ دیکھ سبزۂ خط جو ہوا شہید
پستہ سا اوس کا قبر میں ہوگا بدن ہرا

ہے فزوں عاشق سے بھی معشوق کو گرمیٔ عشق
ہم نے دیکھا شمع سا جلنے میں پروانہ نہ تھا
دیکھ تیری زلف کو ہو قیدیٔ زنجیرِ زُلف
یہ بہاریں ہات سے دیتا ہیں دیوانہ نہ تھا

مہر سے ذرّے تلک ہے اوس کے پرتو کا شہود
جلوۂ شاہِ جہاں بے شبہہ عالم گیر ہے

مرزا مظہر

(صرف فارسی کلام درج ہے۔ حالات اور اردو کلام نہیں لکھا)

حرف (ن)

نصیر

در عالمِ دوستیہا یگانہ و بے نظیر خواجہ غلام نصیر الدین نصیر فرزندار جمندِ دلبند شاہ غلام محی الدین، سلسلۂ نسبش بچند واسطہ بہ خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ منتہی می شود، مولدش اورنگ آباد است۔ و در فنونِ شعر سید عبدالولی عزلت استاد۔ سرو گلستانِ دلجوئیت و گلِ

حدیقۂ بدیہہ گوئی۔ جوانیست سرگرمِ اختلاط و رنگین مزاج یار باش و مردیست چسپاں ارتباط، نکتہ پرداز، مضموں تراش۔ آثارِ خوبی از ناصیۂ او ہویدا و لمعاتِ نور از پیشانیِ او پیدا۔ با مخلصِ اخلاصِ درستے می دارد، و در پاسِ آشنائیہا دستے۔ ایں چند غنچہ ہا از خیابانِ طبعِ اوست۔

میںہہ برسے ہے کس لطف سے اور جام تہی ہے
ساقی تری سرکار میں انصاف یہی ہے

نجم

فلکِ سخنوری رانجم میر نجم خاں نجم۔ المشتہر بحاجی صاحب خلفِ ارشدِ میر محمد امان بن میر نجم خاں۔ از مدتِ ممتد بداروغگیٔ پیلخانۂ نواب آصفجاہِ ثانی ممتاز است و بخطابِ موروثی سرافراز۔ تولدش در قلعۂ ارک بلدہ دارالسرور برہان پور واقع گشتہ۔ دریں ولا بسببِ چھاونی نواب حاضر باشیٔ آقا را ضرور دانستہ بود و باش در حیدرآباد می کند۔ از ساداتِ صحیح النسب است و مردے خوش مشرب و خوب مذہب، در عالمِ دوستیہا یگانہ و بر شمعِ آشنائی پروانہ۔ در اکثر فنون دستے دارد۔ از محبانِ فقیر است و شعرش بہر دل پر تاثیر۔ از وست۔

جب قتل کرکے مجکو چلا رزمگاہ سے
فرمایا اوس کی نعش رہے رن کے بن ہی ہیں

اب تو ہر بات میں وہ شوخ اٹک جاتا ہے
بیٹھ کہتا ہوں تو دامن کو جھٹک جاتا ہے
شیشۂ دل کو مرے سنگ جفا پر وہ مست
بے تکلف ہو کھڑے قد سے پٹک جاتا ہے

یار پہلو میں آسمایا ہے دیکھو اسوقت کیا سمایا ہے

کبھی کھلتے نہیں ہیں اوس کے کاکل ہم بھی سنتے ہیں
ہمیشہ پیچ میں رہتا ہے سنبل ہم بھی سنتے ہیں

زلف رخ پر ترے کس طور سے لہراتی ہے
جس کے دیکھے سے مری آنکہہ بھی بھر آتی ہے

جب کہ آنکھوں میں خواب آتا ہے
یار تب بے حجاب آتا ہے

بھوؤں کے چین اور لب کا تبسم
خمار عشق کو ہے آب شورہ

ناصر

کشور آرائے ممالکِ سخنوری، فرماں روائے اقلیمِ دانش گستری، دستورالعمل ورسمِ جہانبانی، قاعدہ دانِ ضوابطِ گیتی ستانی، مظہرِ سخاوت، مصدرِ شجاعت، ملاذالفقرا، کہف الغربا، فریدوں جاہ، جمشید دستگاہ، سخن سنج والامناظر، نوآب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید نام۔ اکثر خواہشِ طبعِ ہمایونش بہ تحریرِ اشعارِ فارسی مالوف بود، واغلب مزاجِ مبارکش بعلومِ اربعۂ متداولہ مصروف، لہذا شعرِ ریختہ از زبانِ مبارکش کم سر میزد، سپہ سالارِ ملکِ دکن بود و زینت بخشِ اقلیمِ سخن۔

نیر

والا قدرت زبان آور مہدی علی خاں نیرؔ۔ والدِ ماجدش نقد علی خاں ایجاد است و مولدش حیدر آباد۔ در فنونِ سخن وری طبعش درست است، و در علومِ نکتہ پروری فکرش چست۔ در برادرانِ خود بعدِ خانِ انصاف سلسلۂ گفت وگو از و برپا است، نیز شعرش را بر فلکِ دلِ دردمنداں جا۔ جوانیست رنگین مزاج و چوں گُل شگفتہ رو، و مردیست سراپا اخلاق و بدیہہ گو، از مضامین تلاشی و معنی یابی بہرہ اندوختہ است و بر پری زادانِ افکار خال سوختہ۔ از وست۔

حرف (و)

واقفؔ

رموزاتِ سخن را عارف، میاں نور العین واقفؔ۔ پسرِ شیخ
امانت اللہ کہ قاضیِ بٹالہ بود۔ بسببِ قربِ وطن میانِ شاہ عبد الحکیم حاکمؔ و نور العین۔
واقفؔ ارتباطے بود، چونکہ ارادہ زیارتِ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً
داشتند، ہردو بالاتفاق ازیں جانب روانہ گشتہ بیست و نہم رجب سنہ ۱۱۶۴ھ
در خجستہ بنیاد آمدند و یک ہفتہ در انجا بمقام پرداختہ سرے بسمتِ سورت
کشیدند۔ از انجا حاکمؔ سواریِ جہاز را درست کردہ روانۂ نیلِ مقصود گردید
و واقفؔ بجہتِ غلوئے امراض ہمانجا سکونت ورزید تا آنکہ حاکمؔ حصولِ سعادت
کردہ باز گردید و ہردو باتفاق از سورت برآمدہ پانزدہم جمادی الاول سنہ ۱۱۶۵ھ
بخجستہ بنیاد وارد گردیدند و در تکیۂ شاہ محمود فرود آمدند۔ حاکمؔ نوزدہم شوال سنہ
الیہ بفرخندہ بنیاد شتافت و واقفؔ ہمانجا وقفہ نمودہ تا آنکہ نوزدہم صفر سنہ ۱۱۶۶ھ
حاکمؔ باز بہ اورنگ آباد رسید۔ چنانچہ دوم ربیع الآخر سنہ مذکور ہردو
بارادۂ ہندوستان رختِ سفر بربستند و بعد صعوبتِ چند بہ اوطانِ خود
رسیدہ شادکام گردیدند۔ از وست۔

آتی ہے بوئے خوں مجھے اس لالہ زار سے

اے باغباں یہ کس کے شہیدوں کا کھیت ہے

عزیزوں سے نشاں کوئی نہیں دیتا ہے یوسف کا
بہ تنگ آیا ہوں یارو کیا کروں کوئیں میں گرتا ہوں

تجھے دماغ نہیں کہ مجھے بلانے کا
کسی سے پوچھ کہ کیا حال ہے خلانے کا
بہار دیکھی اور اس باغ کی خزاں دیکھی
کوئی بھی رنگ قراری نہیں زمانے کا
قفس میں دھوم مچا ذوق سے اے مرغ اسیر
کہ تجکو فکر نہیں کچھ بھی آب و دانے کا

حرف (ہ)

ہمدم

مضامین و نکات بیگانہ را ملہم و محرم شاہ محمد تقی ہمدمؔ۔ پدرش میرزا محمد و جدِ ماجدش ہاشم علی خاں مرحوم در عصرِ نواب آصفجاہ غفران پناہ بخطاب خانی خاں و دیوانیٔ سرکار سرفراز بود بنبیرۂ موسوی خان است از سادات خراسان تولدِ ہمدمؔ شاہ در دار السرور برہان پور واقع گردید۔ بسنِ بیست و دو سالگی در بلدۂ حیدر آباد رسیدہ بجناب فیض مآب حضرت شاہ شمس الدین محمد الحسینی قدس سرہٗ خلف الصدقِ حضرت سید عماد الدین محمود الحسینی نعمت الہٰی بیعت کرد، بخلعت و تاجِ فقر سرافرازی یافت و تارکِ دنیا شد و حضرت مرشد نظر بر صلاحیتِ مزاج کردہ بہ دامادی و فرزندی

خود ممتاز فرمود۔ بعد چندے رخصت گرفتہ زایر حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً گشت و بعد چہار سال از سیاحت آمدہ در درسگاہِ مرشدش مقیم گردید۔ مرد بزرگست۔ از وست۔

نامہ لکھاہوں شوق سے تجکو باشک وآہ
دینا بہا جلا نہ کسی حال کھولنا

انتظاری میں لب پہ آیا جی راہ تیری میں یاں تلک دیکھا

گر کرے گا قتل مجکو تجہ گریباں میں مرا
قطرۂ خوں تکمۂ لعلِ قبا ہوجاے گا

تو ہم سے وفا سیکھ جفا دل کو سکھایا
شاگرد کسی کا ہوا اُستاد کسی کا

میرے گل بدن کو قبا چشم بلبل کی کیا خوب سجتی ہے بریں گلابی
لگاتوئی اوس کو کلیجے کے قوروں کی ڈوری نگہ کی سلاکر پنہانا

ابرو کی تیرے مغربی تلوار دیکھنا چو رنگ ہوگی کس کی دو رخ وار دیکھنا

تیرے ابرو کے آگے مغربی کی بیت پڑہتا ہوں
شہیدِ تیغِ ابرو ہوں گا تلواروں سے کیا مطلب

خبر لانے کو دل کی آہ کے قاصد مجھے بس ہیں
تری رہ میں ہے ڈانگ آنسو کی ہرکاروں سے کیا مطلب

ماتم کدہ یہ تن ہے جان ہے شہید جس میں
دل ہے حسینی شدہ ہمدم کا سینہ تابوت

ہووے گا کیا صباح نہ تھا کل تو یہ ستم
نکلا ہے جگ میں ظلم کا تم سے رواج آج

من کا سبحہ پھیر زاہد نیں خدا دانوں کے بیچ
رشتۂ جاں ایک ہے پھرتا ہے سو خانوں کے بیچ
گردشِ دوراں میں نیکاں ہیں بدوں سے دل فگار
آہنی برمے سے چھید ہوتے ہیں دُردانوں کے بیچ

خط آنے سے ملول ہیں عشاق میں ہوں شاد
ہے چشم خوش نویس میں ہمدم وقارِ خط

کیوں نہ کیفیت کی ہووے بزم میں اب روشنی
چشم میں ساقی کی روشن ہے عجب مُل کا چراغ
آج کی شب گلرخوں کی بزم ہے ہمدم کے گھر
ہے بجا گر وہ جلاوے روغنِ گل کا چراغ

منزلِ عشق کو میں سر سے چلا جاتا ہوں
چال اس راہ کی آنکھوں سے بتا جاتا ہوں

زلفوں میں ماہرو کا تصوّر اگر نہ ہو
کیونکر کٹیں فراق کی راتیں یہ کالیاں

کون جانے جز نبی حق ساتھ پل کھانے کا لطف
کوئی نہ پہچانے علی بن ہات پہچانے کا لطف

حرف (ی)

یار

صنایع نویس بدایع نگار مرزا محمد یار بیگ یارؔ۔ مزاجش عالیست وشعرش حالی۔ با فقیر مودّتِ قلبی میدارد وگاہ گاہ بملاقات می پردازد از مذاقِ کتب فارسیہ تحصیلی چاشنی گیر حلاوت است، بہ منتہائے مغزِ سخن خوب میرسد، قوّتِ ممیزہ درست میدارد۔ بود و باشِ در فرخندہ بنیاد واقع است۔ ایں چند ذرّہ ہا از آفتابِ فکرِ اوست۔

مشتِ پر صیاد اوس کو جان کر ارزاں نہ بیچ
یک چمن گل ہے ارے ظالم بہائے عندلیب

نو بہار آئی قفس سے کون پہنچاتا ہے اب
گل کو عشق اور ہمصفیروں کو دعائے عندلیب

نیں ہوس ہم کو شراب لعل اور ساغر سفید
ہجر میں خونِ جگر بس اور چشمِ تر سفید
یار فرشِ اطلس و زربفت کچھ درکار نیں
مے کشوں کو بس ہے اک مہتاب کی چادر سفید

ٹک اک انصاف کی نظروں سے دیکھ لے باغباں نرگس
خمار آلودہ آنکھوں کے برابر ہے کہاں نرگس
نکل گھر سے کہ سیرِ نو بہارِ انتظاری ہے
یہاں آنکھیں کھلی ہیں یار کی ظالم وہاں نرگس

مت پوچھ حال دل کا جیسا کباب و آتش
ہے اشک و آہ میرا جوں شمع آب و آتش
اوس شعلہ رو کی آنکھیں جب سے نظر پڑی ہیں
یکساں ہے مجکو ساقی جامِ شراب و آتش
سوئے ہے آشیاں میں کس نیند فصلِ گل میں
مجکو عجب ہے بلبل تیرا یہ خواب و آتش
ظالم لبوں پہ تیرے اس رنگ پاں کے دیکھے
ہے سر لبنگِ حسرت لعلِ خوش آب و آتش

گرمی سے می کی اوس کا چہرہ ہے یار عرق ناک
اعجازِ حسن دیکھو یکجا ہے آب و آتش

یار

آشنائے بحورِ اشعار ممتاز جنگ بہادر یار۔ از دوست۔

بہارِ گلشنِ خوبی چمن میں آیا ہے
کہاں ہے جام کہاں ہے شراب کا شیشہ

گریباں چاک و مطعونِ جہاں بدنام عالم ہوں
پڑے خاک اسطرح کے ہارے رسوائی کے جینے میں

مجھ سے پوچھا کہ کہو تم میں وفا ہے کہ نہیں
میں کہا تم تو کہو تم میں جفا ہے کہ نہیں
یار سے تُرش ہو اوروں سے یہ میٹھی باتیں
گر ہوں آزردہ تمہارے سے بجا ہے کہ نہیں

کہا میں اوس شعلہ خو، کو یک دن کہ جل گیا جی تیری جفا سے
غضب سے تیوری چڑھا کے مجکو کہا میں پھر کیا کروں بلا سے
زبانِ جرأت کو تب تو میں نے دراز کر کر کہا کہ سُن تو
یہ کَون ڈھب ہے جواب دینے کا تنگ تو وسواس کر خدا سے

یہ بات سنتے ہی کر تبسم کہا خدا سے تو تو، ڈراکر
جفا کے شکوہ کو ہم سے کرنا بعید تھا یہ تری وفا سے
خوشی میں پایا جب اوس کو میں نے کہا کہ صاحب بھلا سنو تم
جو دردِ دل کو نہ تم سے کہیے تو کب تلک ... حیا سے
صنم نے میرے سخن کو سنکر کہا کہ اتنا نہ مضطرب ہو
جو ابتدا کو نہیں سمجھتا تو کیا خبر ہوگی انتہا سے
یہ راہیں مشکل ہیں ایسی راہوں میں کیوں قدم کو رکھا ہے تو نے
اگر تو واقف نہیں ہے جا پوچھ یار جیسے مبتلا سے
یہ عشق کا پنتھ سب سے نیارا ہے اس میں آنیکا فایدہ کیا
خوشی میں بیٹھا رہو تو اپنی تجھے غرض کیا وفا جفا سے

باغ میں کہتی تھی بلبل ہائے رے اب تک پڑی ۔۔۔ دل جلا میرا تب اوس گل کے تئیں ٹھنڈک پڑی

قطعاتِ تاریخ اختتامِ تذکرہ

تذکرۂ شاعراں شد چو تمام ایں زماں ۔۔۔ شد دل و جانِ حزیں مبتہج و شادماں
داشت تمنا دلم فکر بتاریخ او ۔۔۔ آمدہ آوازِ غیب شکرِ خدائے جہاں
۱۱۹۴ھ

ہزار شکرِ جناب مولیٰ کہ تذکرہ شد تمام اکنوں
درود بر ختمِ مرسلین و بر آل و اہل بیتِ او ہم
برائے تاریخ سالِ ختمش چو بود در دل مرا تمنا
گلِ عجایب شگفت نیکو بگلبنِ سادہ گفت طبعم

۱۱۹۶ــ۲=۱۱۹۴